طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائد اعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

بدل الاشتراک
سالانہ
پاکستان ۔ 170 روپے
غیر ممالک ۔ 800 روپے

ٹیلیفون
5714546/6541521
idara@toluislam.com
خط وکتابت
ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) 25 بی گلبرگ لاہور

قیمت فی پرچہ
-/15
روپے

شمارہ نمبر 04
اپریل 1999ء
جلد 52

Bank Account No. 3082-7, National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore

ادارت

مدیر اعلیٰ :- محمد لطیف چوہدری
مدیر معاون :- سلیم اختر

مجلس مشاورت

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر (اردو سیکشن)
محترمہ شمیم انور (انگلش سیکشن)

سرکولیشن مینجر : مرزا محمد زمرد بیگ
کمپوزر : شعیب حسین

انتظامیہ

چیئرمین :- ایاز حسین انصاری
ناظم :- محمد لطیف چوہدری
ناشر :- عطا الرحمان ارائیں

قانونی مشیران

جناب عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ
جناب ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ
جناب محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

پرنٹرز: نذیر شریف پرنٹرز '43 ریٹی گن روڈ' لاہور

فہرست

لمعات	(ادارہ)	3
دفاع پاکستان اور ہندو مسلم مفاہمت	(پروفیسر محمد منور)	8
عشق رسولؐ اور پرویزؒ	(محمد ظہیر)	14
دین مذہب میں کیسے تبدیل ہو گیا	(عبداللہ ثانی)	19
طوطے جیسے لوگ	(ڈاکٹر شبیر احمد)	25
روئیداد سیمینار	(ڈاکٹر منظور الحق)	28
اقبال اور تصوف	(صابر صدیقی)	33
جواں فکر	(شمع سوات)	41
حقائق و عبر	(ادارہ)	43
Allama Iqbal's Vision of An Islamic State	(Taimur Afzal Khan)	48
قوم اور امت	(علامہ غلام احمد پرویز)	49
نفاذ شریعت	(ادارہ)	57
طلوع اسلام کا مقصد و مسلک	(ادارہ)	60

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لمعات

"اعلان لاہور"

امریکی نائب وزیر خارجہ ٹالبوٹ کی خاموش سفارت کاری رنگ لائی اور بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی وزیراعظم میاں نواز شریف سے پہلے سے طے شدہ امریکی ایجنڈا کے مطابق مذاکرات کیلئے بذریعہ بس لاہور تشریف لائے۔ ہر دو وزرائے اعظم نے پہلے اپنے اپنے معاونین کی موجودگی میں اور بعدازاں علیحدگی میں مذاکرات کیے اور پھر ایک تقریب میں ایک دستاویز پر دستخط کیے جسے اعلان لاہور کے نام سے موسوم کیا گیا اور میاں نواز شریف نے اعلان لاہور' کو قرارداد پاکستان کی طرح ایک اہم کامیابی قرار دیتے ہوئے بزعم خود قائداعظم ثانی بننے کی کوشش کی۔

حد تو یہ ہے کہ قائد حزب اختلاف بینظیر بھٹو بھی جو ہر معاملے میں حکومت کی مخالفت کرنا اپنا فرض سمجھتی ہیں نواز شریف سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر بھارت سے دوستی اور دو طرفہ اقتصادی روابط کی حمایت کر رہی ہیں۔ بینظیر بھٹو نے تو فری اکنامک زون کی تجویز پیش کر دی اور کہا کہ پاکستان' بھارت' بنگلہ دیش' نیپال' بھوٹان اور سری لنکا تمام شعبوں میں آزادانہ تجارتی معاہدے اور تعاون کر سکتے ہیں' جس میں مشترکہ کرنسی' مشترکہ سنٹرل بنک' باری باری صدارت اور مشترکہ سفری دستاویزات ہو سکتی ہیں۔ بینظیر بھٹو اس قسم کے فارمولے پیش کر کے اپنے آپ کو امریکہ کیلئے قابل قبول بنانے کی خواہش مند نظر آتی ہیں جبکہ نواز شریف اعلان لاہور کو قرار داد لاہور کی طرح نتیجہ خیز دستاویز قرار دے چکے ہیں' عوام حیران ہیں کہ قرار داد لاہور کے نتیجے میں تو پاکستان بنا تھا۔ اعلان لاہور کا مقصد کیا ہے۔

ابھی تک مسلمان بزرگوں کی ایسی کثیر تعداد زندہ ہے جو کہ منٹو پارک لاہور کے اس تاریخی جلسہ

میں موجود تھی جہاں بابائے قوم حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اپنے ولولہ انگیز اور تاریخ ساز خطاب میں دو قومی نظریہ کی وضاحت فرماتے ہوئے فرمایا تھا :

"ہم اپنے لئے علیحدہ وطن کا مطالبہ اس لیے کرتے ہیں کہ ہم ایک الگ قوم ہیں۔ ہماری تہذیب الگ' ہماری ثقافت الگ' ہمارے نام الگ' ہماری اقدار الگ' ہمارے قانون و ضابطے الگ' ہمارے اخلاقی قوانین الگ' ہمارے رسم و رواج الگ' ہمارا کیلنڈر الگ' ہماری تاریخ الگ' ہمارے جذبات الگ' ہمارے احساسات الگ' جب ہندوؤں سے ہماری ہر بات الگ ہے پھر وطن بھی الگ ہو۔ جس وطن میں ہم اسلامی اقدار کی روشنی میں زندگی بسر کرنے میں پوری طرح آزاد اور خود مختار ہوں"۔

اس کے علی الرغم پاکستان کی اساس کو کہر آلود کرنے والوں نے ان خیالات و تاثرات کو ہمیشہ ہوا دی کہ بھارت اور پاکستان کی موسیقی ایک' خوراک ایک' تاریخ و ثقافت ایک' تہذیب اور کھیلیں ایک ہیں۔ اس تاثر کو مضبوط کرنے کیلئے ایک دوسرے کے ہاں ثقافتی طائفے اور دانشوروں کے وفود کے تبادلے شروع ہوئے' کرکٹ اور ہاکی سیریز منعقد کروائی گئیں' بسنت' دسہرہ' ہولی کے ہندوانہ تہواروں کو سرکاری سرپرستی میں رواج دیا گیا۔

واجپائی کے دورے کے بعد ہمارے یہاں بھائی چارے کی فضا کا بہت ڈھنڈورہ پیٹا جا رہا ہے تاہم استصواب کی بات بھی دبی دبی زبان میں کر دی جاتی ہے۔ لیکن بھارت نے اپنے ایجنڈے میں سر مو فرق نہیں پیدا ہونے دیا۔ امریکہ کے دباؤ کو برطرف کرتے ہوئے بھارت نے اپنا پرنالہ اپنی جگہ پر ہی رکھا ہوا ہے۔ جبکہ ہماری "کشمیر پالیسی" امریکہ کے سامنے سربسجود نظر آتی ہے۔

ہمارے حکمرانوں کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ بھارت کے ساتھ تنازعہ کشمیر سمیت تمام اختلافی امور خوشگوار ماحول اور پرامن مذاکرات کے ذریعے طے پا جائیں تاکہ دونوں ملکوں کے درمیان ماضی کی تلخیاں ختم ہوں۔ تعلقات میں بہتری آئے اور دونوں ملک اپنے بجٹ کا بڑا حصہ دفاع پر صرف کرنے کی بجائے عوام کی فلاح و بہبود اور تعمیر و ترقی پر خرچ کر کے اپنے اپنے شہریوں کو آزادی کی نعمتوں اور برکتوں سے بہرہ ور کر سکیں لیکن افسوسناک امر یہ ہے کہ بھارتی حکمرانوں کی اکثریت نے پاکستان کو دل سے تسلیم ہی نہیں کیا۔ اندرا گاندھی نے سقوط مشرقی پاکستان کے موقع پر کہا تھا کہ دو قومی نظریہ خلیج بنگال میں غرق کر دیا گیا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد بھارتی مسلمانوں کو تحریک پاکستان کی حمایت کی سزا دینے کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور واجپائی کشمیر کو بدستور بھارت کا اٹوٹ انگ قرار دے رہے ہیں۔

پاکستان کو مقبوضہ کشمیر کی صورت حال میں ملوث قرار دے کر محدود جنگ کی دھمکیاں دی جارہی ہیں اور حال ہی میں مزید بھارتی فوج کنٹرول لائن پر بھیج دی گئی ہے۔ بھارت کے وزیر داخلہ لال کشن ایڈوانی ہرزہ سرائی فرما رہے ہیں کہ

"وہ دن دور نہیں جب پاکستان اور بھارت کے عوام 1947ء کی تقسیم کو جھٹلا دیں گے (نقل کفر' کفر نہ باشد) کیونکہ یہ تقسیم نہ پاکستان کے عوام کے حق میں رہی اور نہ ہی بھارتی عوام کے حق میں"۔

ایک خبر رساں ایجنسی کے مطابق بھارت کے وزیر خارجہ مسٹر ایل کے ایڈوانی نے کہا "ہم اس دن کو دیکھنے کی خواہش رکھتے ہیں جب دونوں ملکوں کے عوام پوری طرح اس حقیقت کو سمجھ جائیں کہ تقسیم کے بعد سے دونوں ممالک کے عوام کے معیار زندگی میں کوئی بہتری نہیں ہوئی لہٰذا پاک بھارت کنفیڈریشن ضروری ہو چکی ہے" مسٹر لال کشن ایڈوانی کھلے کانوں سے سن لو! ہم ایک بار پھر دنیا کے سامنے ببانگ دہل یہ اعلان کرتے ہیں کہ "تحریک پاکستان کے نام پر اپنی جداگانہ مملکت کے قیام کا جو انقلاب آفریں معرکہ ہم نے ماضی میں سرانجام دیا تھا وہ حالات کے کسی رسمی تقاضے کا پابند ہرگز نہیں تھا۔ یہ وہ آواز تھی جو قلب ملت کی گہرائیوں سے ابھری اور نفیر انقلاب بن کر اس برصغیر کی فضاؤں میں گونجی۔ یہ صدیوں کے بعد اس تاریخی حقیقت کا غیر مبہم اور دو ٹوک اعلان تھا کہ اس برصغیر کے مسلمان یہاں کے ہندوؤں سے ایک الگ اور جداگانہ قوم ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ایک قوم اور ملت کی اساس وطن' رنگ یا نسل کا اشتراک نہیں بلکہ یہ بنائے اشتراک اس تصور حیات (Ideology) پر ایمان ہے جو خدا کا دین ہر مسلمان کو عطا کرتا ہے۔

ہم نے اپنے لئے اگر ایک الگ خطہ زمین کا مطالبہ کیا تھا تو اس لیے کہ خدا کے جس دین پر ایمان رکھتے ہوئے ہم ہندوؤں سے الگ ملت قرار پاتے ہیں وہ ایک نظام مملکت کی حیثیت سے خدا کی زمین پر اپنا تمکن اور غلبہ چاہتا ہے۔ خدا کے اس دین پر ایمان لانے کا مقصود و منتہیٰ یہی ہے کہ اس کے عطا کردہ اصول و اقدار کے مطابق خدا کی زمین پر ایک معاشرہ متشکل ہو۔ اس معاشرہ میں انسانوں کے خود ساختہ قوانین کی بجائے خالص قانون خداوندی (قرآن کریم) کی کارفرمائی عمل میں آئے۔ الغرض ہندوؤں سے الگ مسلمانوں کیلئے جداگانہ مملکت کا قیام نہ تو وقت اور حالات کا کوئی ہنگامی تقاضا تھا اور نہ ہی یہ ہندوؤں سے کوئی سیاسی سودے بازی تھی۔ یہ ہمارے دین و ایمان کے بنیادی تقاضوں کی پکار تھی جسے لبیک کہتے ہوئے ہم نے انگریز اور ہندو دونوں کی جنگ مول لی۔ ہر بڑے سے

بڑے خطرے سے مردانہ وار نبرد آزما ہوئے اور ہر بڑے سے بڑے طوفان کا رخ موڑ دیا۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ مسئلہ کشمیر کا قطعی اور سربسر منصفانہ حل ساری دنیا کے سامنے موجود ہے۔ یو۔ این۔ او اس حل پر مہر توثیق ثبت کر چکی ہے۔ خود کشمیر کے عوام اور ان کی نمائندہ جماعتیں اس حل کے سوا اور کوئی حل قبول کرنے کیلئے تیار نہیں اور وہ حل ہے۔

اہل کشمیر کا حق خود ارادیت اور اس کی بنیاد پر استصواب رائے۔

جب مسئلہ کشمیر کے منصفانہ حل کیلئے متفق علیہ اور طے شدہ بنیاد موجود ہے تو اس کی موجودگی میں "اعلان لاہور" کی کیا ضرورت ہے جس نے شملہ معاہدہ کے مردہ گھوڑے میں پھر سے جان ڈال دی ہے جس میں پاکستان کو مسئلہ کشمیر صرف پاک بھارت دو طرفہ مذاکرات سے طے کرنے کا پابند کر دیا گیا تھا۔ اگر بھارت اپنی تازہ مصلحتوں یا ہٹ دھرمی کی بنا پر آج استصواب رائے کے فیصلے سے روگردانی اختیار کر رہا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایسے نئے اور متبادل حل تلاش کیے جائیں جو پاکستان کی بنیاد کو ہی اکھیڑ دیں۔

پاکستان کے عوام نے آزادی تقسیم کی لکیر مٹانے کیلئے حاصل نہیں کی تھی بلکہ یہ لکیر اپنی آزادی کے تحفظ اور نظریاتی تشخص کیلئے منوائی تھی۔ پاکستانی عوام کا یہ موقف کل بھی تھا' آج بھی ہے اور ابد تک یہی موقف قائم رہے گا۔ مسٹر لال کشن ایڈوانی اپنی موت تک اس لکیر کو قائم و دائم ہی دیکھیں گے۔ (انشاء اللہ العزیز)

تاریخی یادداشتیں

سوال یہ ہے کہ قرآن کا دین موجودہ مذہب میں کس طرح تبدیل ہو گیا؟ غیر قرآنی نظریات' تصورات' معتقدات کہاں کہاں اور کن کن راستوں سے در آئے؟ دانشور حضرات اس موضوع پر روشنی ڈال سکیں تو راقم ممنون ہو گا۔

ملتمس : ایم۔ آر راجہ (کینیڈا) معرفت ادارہ طلوع اسلام' 25 بی گلبرگ 2' لاہور

[illegible] ہے جو خوش خلق اور گھر والوں سے نرم سلوک کرنے والا ہو۔ (ترمذی)

A perfect believer is that who is nice in behaviour and kind to his family [illegible]

SHAHAB

QUALITY PISTON RINGS

THE ONLY MANUFACTURERS OF INTERNATIONAL QUALITY PISTON RINGS IN PAKISTAN.

MINIMIZE WEAR
RESTORE COMPRESSION
GET MORE POWER
CONTROL OIL

CALL US FOR THE EXCELLENT RECONDITIONING OF AUTOMOBILE ENGINES OF ALL KINDS.

M. SHAH MOHAMMAD & SONS (PVT.) LTD.

OUTSIDE PAK GATE, MULTAN, PAKISTAN
PHONE OFFICES : 545071, 43671, 539071-73
FACTORY 550171

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر محمد منور

دفاع پاکستان اور ہندو مسلم مفاہمت

سیاسی اور اقتصادی انقلابات کی داستانوں پر مبنی Paul Kennedy کی ایک کتاب آج سے چھ برس قبل امریکہ میں چھپی۔ نام ہے "عظیم سلطنتوں کا عروج و زوال" (The Rise And Fall Of Great Powers)

اس کے صفحہ ایک سو گیارہ پر وہ تحریر کرتا ہے کہ ہم ایک مملکت کو اس اعتبار سے دیکھتے ہیں کہ اس کی آب و ہوا کیا ہے۔ سرزمین کیسی ہے۔ کتنی زرخیز ہے۔ خام پیداوار میں کیا کچھ شامل ہے۔ تجارتی شاہراہوں تک رسائی ہے یا نہیں۔ کیا ایک مملکت بری قوت ہے یا بحری یا دونوں حیثیتوں کی مالک ہے۔ ہمسائے کون ہیں۔ آیا وہ ہمسائے کمزور ملک ہیں یا طاقتور۔ آیا ہمسایوں سے جنگ رہتی ہے۔ آیا وہ جنگ فقط ایک محاذ پر رہتی ہے یا کئی محاذوں پر' جنگی صورت حال میں کس کس طرف سے مدد مل سکتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ پال کینڈی نے کسی ملک کے باشندوں کی استعداد کار اور ان کے قائدین کی مدبرانہ مہارت وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ ظاہر ہے یہ نقاط بڑے اہم ہیں۔

ہم عام طور پر کسی ملک کی زرخیزی' معدنی دولت' باشندوں کی تعداد اور ان کی تاریخی حیثیت کو سامنے رکھتے ہیں' مگر یہ اہم نقطہ نظر انداز کر دیتے ہیں کہ کمزور ہمسایوں کے باعث وہ ملک یک سو ہو کر عمومی ترقی کی راہ پر چل رہا ہے یا اسے طاقت ور ہمسایوں کے باعث اور بھی کئی محاذوں پر محنت اور کمائی صرف کرنی پڑتی ہے۔ واضح ہے کہ ہم پاکستانیوں کی کمائی کا ایک بہت بڑا حصہ بھارتی ممکنہ "عملی دوستداری" کے تدارک پر خرچ ہو جاتا ہے۔ بھارت ہمارا ہمسایہ ملک ہے وہ واحد ہمسایہ نہیں تاہم اپنی قوت اور وہ بھی ہمارے حق میں اپنی معاندانہ حیثیت کے باعث ہمارے لئے سب سے اہم ہمسایہ ہے۔ ہمارے ساتھ اس کا عناد کوئی 1947ء کے سال کی پیداوار نہیں۔ یہ عناد پرانا ہے جب سبکتگین نے غزنی میں حکومت قائم کی تو شمالی ہند کے پال خاندان سے تعلق رکھنے والے ایک راجہ جے پال نے خطرہ محسوس کیا۔ اس نے سلطان غزنی کے خلاف دو جنگیں لڑیں۔ اس کے بیٹے آنند پال نے بھی ایک جنگ لڑی۔ جس میں اس کی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس آخری جنگ میں آنند پال کی بہت سے دیگر ہندو راجاؤں نے بھی بھرپور مدد کی تھی مگر دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ یہ راجے جو سبکتگین اور اس کے فرزند ارجمند محمود کے خلاف یورشیں کر رہے تھے' ان کا میدان حرب پشاور اور غزنی کے مابین تھا حالانکہ ان کی سلطنت میں بھٹنڈہ اور لاہور شامل تھا۔ واضح ہے کہ اگر جنگ غزنی کی بغل میں ہوتی ہے' اٹک سے نیچے لاہور یا بھٹنڈہ کے گردونواح میں نہیں ہوتی تو حملہ آور ہندو راجہ تھے نہ کہ غزنی کے حکمران' گویا یہ تین جنگیں غزنی والوں پر حملے کا نتیجہ تھیں۔ ہر بار ہندو راجاؤں نے ہزیمت کے بعد کئے جانے والے ہر معاہدے کی خلاف ورزی کی اور آئندہ

کے اتحاد اور حملے کا خطرہ موجود تھا۔ پھر کو کیا کرنا چاہئے تھا۔ عیاں ہے کہ غزنی کی سے بھارت پر حملوں کا آغاز مسلمانوں نے نہیں کیا۔ راجاؤں نے اپنی طرف سے پیش بندی کی قدمی کی گویا دعوت نامہ دے دیا کہ تشریف لائیے۔ نتیجہ یہ کہ رستہ کھل گیا اور پھر اس طرف سے سلطانوں کے لشکر آنے لگ گئے اور چونکہ وہ زیادہ طاقت تھے اس لئے وہ آ کے اصحاب خانہ بن گئے اور اصحاب خانہ مہمان ہو کر رہ گئے۔

پشاور سے لے کر بھٹنڈہ تک پھیلی ہوئی ہندو حکومت' غزنی کی ننھی سی مملکت کے مقابلے میں زیادہ طاقت ور تھی۔ لہٰذا اس نے چاہا کہ اس ننھی منی مملکت کو جلدی بروقت ختم کر دیا جائے ورنہ کل بڑی اور قوی تر مملکت بن کر ہمیں پریشان کرے گی۔ ظاہر ہے ہندوؤں نے پہل کی۔ حملے کئے اور تعاقب کرنے والوں کے لئے رستے کھول دیئے' لیکن ستم یہ ہے کہ ہندو قوم حملوں کا آغاز کرنے کا مجرم مسلمان کو بناتی ہے۔ بالکل واضح ہے کہ آج بھارت ہمیں آرام سے نہیں بیٹھنے دے رہا۔ ہمیں ہمارے گھر میں بے چین کئے رکھنے کے لئے ہر حربہ استعمال کر رہا ہے پھر اگر تنگ آکر ہم کوئی گستاخی کر بیٹھے تو پھر ہندو پاک' پوتر اور معصوم و مظلوم بن بیٹھیں گے' ظالم ہمیں قرار دیں گے۔ قصہ مختصر یہ کہ آیا ہماری کمائی اور ہماری محنت کا ثمرہ پاکستان کی تعمیر و ترقی میں اتنا مد ہو سکتا ہے جتنا بھارت کی عداوت کے غیاب میں ہوتا؟ یہاں قدرتاً" سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا پاکستان اور بھارت کے مابین مفاہمت و مصالحت ممکن ہے؟ جواب ہے کہ مفاہمت بالکل ناممکن ہے۔ مسلمانوں سے نفرت برہمنی معاشرے کے رگ و ریشے میں سینکڑوں سالوں سے راسخ ہے۔ مسلمانوں کا ان کے نزدیک پلید اور بدبودار وجود ہے اور یہ امر ان کے دھرم کا گویا ایک اہم ستون بن کے رہ گیا ہے' یہ اس قوم کی اجتماعی نفسیات ہے۔

یہ درست ہے کہ البیرونی کے بقول ہندو لوگ اپنے وطن سے باہر کی ہر سرزمین کو پلید جانتے ہیں لہٰذا ان غیر ہندی علاقوں میں پیدا ہونے والے باشندے بھی پلید ہیں۔ ویسے ملیچھ کا معنی ہے غیر ملکی مگر چونکہ ہر غیر ملک کی مٹی ناپاک ہے اس لئے رفتہ رفتہ غیر ملکی کا براہ راست مفہوم ناپاک ہو گیا۔ البیرونی لکھتا ہے کہ ہندو برہمن' یونانیوں سے رعایت کرتے ہیں وہ یوں کہ پلید ہونے کے باوصف چونکہ علوم کے دلدادہ ہیں لہٰذا عزت کے قابل ہیں گو پلید پھر بھی رہے۔ اس کے مقابل مسلمانوں کی حیثیت ملیچھ کے طور پر قطعاً" پختہ ہو گئی۔ غیر ملکی کا مطلب ملیچھ'ملیچھ کا معنی پلید اور ناپاک' اپوتر اور پھر رفتہ رفتہ ملیچھ کا مطلب صرف مسلمان قرار پایا۔ کیا ہندوؤں نے انگریز کو ملیچھ کہا؟ کیا ہندوؤں نے ولندیزیوں' فرانسیسیوں'پرتگالیوں' جاپانیوں اور چینیوں کو کبھی ملیچھ کہا؟ کیا ہالینڈ' فرانس' پرتگال' چین اور جاپان وغیرہ بھارت کی سرزمین سے باہر کے وطن نہیں؟ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کروڑوں مسلمان جو سرزمین ہند ہی میں پیدا ہوئے وہ کیسے پلید ہو گئے؟ اکبر بھی ملیچھ' مولانا حسین احمد مدنی بھی ملیچھ' مولانا ابوالکلام آزاد بھی ملیچھ' عبدالغفار خان بھی ملیچھ' یہ ہندو برہمن جاتی کے دھرم کی بات ہے' سیاسی مجبوری یا ہیرا پھیری الگ معاملہ ہے۔

ہندو کو بھولا بھالا اور مسلمانوں سے مفاہمت کا طلب گار جاننے والا ہمارے یہاں ایک طبقہ متعلقین کا موجود ہے' جو ہزار سالہ برہمنی اسلام دشمنی کو بڑی سادگی یا شاید بڑی استادی سے نظر انداز کر کے ہندو مسلم مناقشت کی عمر کو بمشکل سو سال قرار دیتا ہے اور سبب اس مناقشت بلکہ منافرت کا انگریز کی حیلہ کاری بتاتا

ہے۔ ہمارے ان دانش گزیدہ بزرگان و عزیزان محترم کی نظر سے برعظیم میں مسلمانوں کی تیرہ سو سالہ زندگی کی داستان عروج و زوال بالکل محو ہو گئی ہے' جے پال کو انگریزوں نے اکسایا تھا؟ محمود کو انگریزوں نے بھڑکایا تھا؟ رانا سانگا اور رانا پرتاپ انگریزوں کے کارندے تھے؟ علاؤ الدین خلجی کو دولت آباد اور جزیرہ اسدرا کی راہ انگریز نے دکھائی تھی؟

1761ء کی جنگ پانی پت جس میں احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کو بھرپور شکست دے کر ہندوؤں کو سارے برعظیم پر حاکمانہ انداز میں مسلط ہو جانے سے روک دیا تھا' کیا یہ کار خیر انگریز نے کیا تھا؟ جن بزرگوار اور ان کے رفقاء محترم نے احمد شاہ ابدالی کو امت اور اسلام کے نام پر دعوت یورش دی تھی' یعنی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے جانثار رفقاء۔۔۔۔۔ کیا یہ لوگ برطانوی لارڈ اور کاؤنٹ تھے؟ ہم عرض کرتے ہیں اے عقلائے خیر بیں اور اے فضلائے صلح جو' آپ ہندو مسلم مفاہمت کے طلب گار ضرور ہیں مگر ہندو مسلم عداوت کا بانی خود ہندو کو قرار دیں جن کے یہاں ملیچھ کا تصور دھرم کا درجہ رکھتا ہے اور ملیچھ صرف مسلمان ہے۔ مسلمان کے لئے تو اللہ کی ساری دھرتی بلکہ فضا بھی پاک ہے' سارا جہاں مسجد ہے' ہم ہر جگہ سربسجود ہو سکتے ہیں' پاک اور ناپاک کا جھگڑا ہندو کا خمیر ہے۔

انگریز نے ہندو کو عموماً اور کبھی کبھار مسلمان کو بھی اپنا کارندہ بنا کر کام لیا۔ مراد ہے کہ انگریز نے ہندو مسلم منافرت کا جو سینکڑوں سالوں سے چلی آرہی تھی' پورا پورا فائدہ اٹھایا' مگر وہ اس مناقشت کا بانی نہیں تھا۔ جب انگریز نے سر زمین ہند میں قدم جمانا چاہے تو قیادت و سیادت مسلمانوں کے پاس تھی۔ اس لئے آنکھوں والے اور اہل شعور کو صاف معلوم ہے کہ انگریزوں کو سازش مسلمانوں کے خلاف کرنا تھی' قوت مسلمانوں کی توڑنا تھی' عظمت مسلمانوں کی مٹانا تھی تو اس کام کے لئے اسے ہندو درکار تھے اور ہندو حاضر تھے۔ ہندوؤں کو تو فقط آقا تبدیل کرنا تھا' کیا بھارت میں انگریزوں کی آمد کے وقت حکومت اور شان و شوکت ہندوؤں کی قائم تھی جسے نابود کرنے کے لئے انگریزوں کو ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو استعمال کریں؟ بالکل اسی طرح پاکستان کے خلاف ہندو آج پھر کسی بھی صلیبی' بدھی' یہودی اور اسلام دشمن نام نہاد مسلم گروہ سے ساز باز کر سکتا ہے اور کر رہا ہے۔

آج ہمارے بعض تیز گفتار اور کوتاہ اندیش عقلاء اور اہل حکمت سمجھتے ہیں (اور جن کو بت خانے سے آ کے سمجھانے والے مزید روشن خیال بناتے رہتے ہیں) کہ پاکستان اگر ہندو کو بے ضرر جاننے لگے اور ان کے اندر پوشیدہ اچھائیوں کو تسلیم کر کے ان سے دوری گھٹانے کی کوشش کرے تو پاکستان اور بھارت کے مسلمانوں کے لئے بہتر ہو گا۔ مگر سانپ ازل سے سانپ ہے۔ میں اگر اس کا ضرر ناک ہونا دل سے نکال دوں۔ تو ظاہر ہے سانپ پر میرا اعتماد مجھے کس حال کو پہنچائے گا۔ سانپ کی فطرت کے اندر کی کوئی اچھائی یعنی اس کے زہر سے تیار ہونے والی کوئی دوائی کسی حکیم یا ڈاکٹر کو معلوم ہو گی۔ ایک عامی تو سانپ کو سانپ ہی جانتا ہے اور یہی تقاضائے احتیاط ہے۔ ہندو اپنی اجتماعی نفسیات نہیں بدل سکتے۔ یہاں میں چودھری افضل حق صاحب کا ایک حوالہ عرض کرتا ہوں ان کی ایک کتاب کا نام ہے۔ "مسلمان اور اچھوت" ذرا ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں :-

"ہندو اور سکھ حلوائی اس خیال سے کہ مسلمانوں کے ہاتھ لگانے سے وہ پلید نہ ہو جائیں' مسلمان خریداروں سے اپنے ہاتھ سے پیسے بھی نہ لیتے تھے۔ اس غرض سے

[illegible] کا استعمال کرتے تھے۔ اس کا [illegible] تھا اور مسلمان سے کہتا کہ وہ [illegible] پیسے ڈال دے۔ یہ لکڑی کی ڈولی وہ [illegible] کرتا تھا کہ ہندو کا خیال تھا کہ مسلمان [illegible] لکڑی کو ہاتھ لگانے سے وہ بھرشٹ نہیں [illegible] اس طرح ہندو پلید ہونے سے بچ جاتا ہے' جب میں اس ڈولی کے پیالے میں پیسے ڈال رہا تھا تو بدقسمتی سے دکاندار کو میرا ہاتھ لگ گیا۔ اس سے دکاندار لال پیلا ہو گیا اور اس نے ایک ہی سانس میں ہزاروں گالیاں سنا ڈالیں۔ ایک ساعت کے لئے میں بالکل بھونچکا ہو کر رہ گیا اور بے حس و حرکت کھڑا رہا۔۔۔۔ ازاں بعد وہاں سے چلا آیا اور زندگی کے کئی سالوں تک بعد میں کسی ہندو یا سکھ کی دکان پر نہ گیا' میری زندگی کا یہ واقعہ جس نے میری زندگی کے معاشرتی پہلو کو بالکل بدل کر رکھ دیا اس وقت رونما ہوا جب ملک میں کوئی بھی سیاسی یا سماجی تحریک نہیں تھی اور مسلمان روز مرہ ایسی ذلتیں برداشت کرتے رہتے تھے"۔ (مسلمان اور اچھوت صفحہ نمبر 34)

جن اہل حکمت کے نزدیک ہندو سے اس کی شرافت اور ملائمت کے باعث مفاہمت ممکن ہے ہم ان سے فقط اتنا پوچھتے ہیں کہ اولاد آدم کی تاریخ کے کسی دور میں کسی قوم نے اجتماعی طور پر کسی دوسری پوری قوم کا اتنا توہین آمیز بائیکاٹ اور مقاطعہ کیا ہے جتنا ہندو قوم نے مسلمان قوم کا کیا؟ یورپی اور امریکی گوروں نے افریقی کالوں کو نہایت اذیت ناک رویئے کا ہدف بنائے رکھا' لیکن کیا کبھی ایسا ہوا کہ کسی کے ہاتھ لگانے سے یا اس کا سایہ پڑ جانے سے کسی [illegible] کو پلید ہو جانے اور بدبو دار بن جانے کا شعور ہوا ہو [illegible] حبشی کا سایہ پڑ جانے سے کسی بھی نخوتی گورے کے [illegible] کی میز پلید ہو گئی ہو۔ ایسا انفرادی بھی کوئی واقعہ [illegible] نہیں گزرا چہ جائیکہ ایک پوری قوم ایک اور پوری قوم کا اس طرح سر تا سر شرمناک اور اہانت آمیز مقاطعہ کرے۔ کیا ہندو قوم کے ساتھ مسلمانان امت کی مفاہمت ہو سکتی ہے' جن کے نزدیک ملیچھ کا معنی ہی مسلمان ہو؟ آج دینی مشن اپنا کر پاکستان کے خلاف باتیں کرنے والے ہندی اور پاکستانی حضرات مقدس ذرا کسی "چوکے" میں قدم تو رکھیں (بزرگ قارئین از راہ کرم عزیزوں کو چوکے کے معنی سمجھا دیں) دکھ کے ساتھ حکیم مومن کا یہ شعر سنانا پڑتا ہے۔

جانے کیا کچھ پڑھا دیا ان کو!
دشمنوں کے پڑھائے لوگوں نے!

بعض روشن دماغ فرماتے ہیں کہ پاکستان کو سوئٹزرلینڈ کی طرح غیر جانبدار بنا دو' یہ نہایت نامعقول تشبیہی مغالطہ ہے۔ سوئٹزرلینڈ کے ہمسایوں میں کوئی ایسا ملک اس وقت موجود نہیں جس کی قوت تو سوئٹزرلینڈ سے دس گنا زیادہ ہو اور وہ بہر معنی سوئٹزرلینڈ کو تاریخی انتقام کا ہدف بنا کر بہرطور نقصان پہنچانے اور بہر لحظ نقصان پہنچانے کے مواقع کی تلاش میں ہو یا مواقع تراش رہا ہو۔۔۔۔ نیز یہ بھی پیش نظر رہے کہ۔

"فرنگ کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے"

ساری دنیا کے بڑے تجار اور خصوصاً" یہود سرمایہ داروں کا بے حساب سرمایہ سوئٹزرلینڈ کے بنکوں میں جمع ہے۔ دنیا بھر کے یہود زیر زمین ہر حربہ استعمال کریں گے۔ تاکہ سوئٹزرلینڈ کو آنچ نہ آئے اور آج یہود کا تسلط کس یورپی اور امریکی سلطنت پر نہیں؟ یہ بات تو رہی ایک طرف مگر جب جنگ عظیم دوم بھڑک رہی تھی تو اسی سوئٹزرلینڈ کو اپنی حفاظت اور دفاع کے لئے اپنی پوری جانبداری کے باوصف' پانچ لاکھ فوج تیار کرنا پڑی تھی جو اس کی اجتماعی ملکی آمدنی کے تناسب سے بہت زیادہ تھی لیکن کیا غیر جانبدار ہو جانے کا معنی

خود اپنی بقاء کے باب میں بھی غیر جانبدار ہو جاتا ہے؟ (یونیورسٹی آف کولمبیا کے پروفیسر K.G. HOLSTI کی کتاب انٹرنیشنل پالیٹکس صفحہ 307 اور 309 ملاحظہ ہو)

پروفیسر ہولسٹی کے بقول یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں ہوتا کہ جملہ قومی مصلحتوں کے مقابل دفاع پر تناسب سے زیادہ خرچ کر دیا جائے یا توازن بحال رکھا جائے۔ پروفیسر ہولسٹی کے نزدیک دفاع میں کچھ عرصہ بہت زیادہ بھی خرچ کرنا پڑ جائے تو کر دینا چاہئے تاکہ پھر اس طرف سے بے فکر ہو کر قوم کے ہر شعبہ حیات کی دل جمعی کے ساتھ خدمت کی جا سکے۔

بہر حال سوئٹزرلینڈ کو تو عالمی صیہونی طاقتوں اور ان کے دبیلوں کا تحفظ حاصل ہے' پاکستان کو ایسا کوئی سہارا میسر نہیں۔ پاکستان کا کوئی ملک یار فداکار نہیں۔ اس اعتبار سے پاکستان "غیر جانبدار" ہے مگر پاکستان کسی قیمت پر خود اپنی بقاء کے ضمن میں غیر جانبدار نہیں ہو سکتا۔ ہاں ساری قوم جان کھپائے اور اپنی جائز (بلکہ ناجائز بھی) کمائی کا ایثار کی حد تک بڑا حصہ اپنے قلعوں کی دیواریں مضبوط کرنے پر لگا دے اور چند سال یہ قربانی کر کے دکھا دے تو پھر فائق اور غیر فائق کسی قوت کو ہمارے خلاف یورش کرنے کی ہمت نہیں ہو گی۔ جب باہر کا دشمن سہم جائے تو اندرونی دشمن بھی بلوں میں گھس جاتا ہے۔

آج بعض علمائے دین' حکمائے فطین اور خطبائے بے یقین فرما رہے ہیں کہ برہمنوں میں بڑے محبت والے گروہ موجود ہیں' ساری ہندو جاتی بری نہیں وغیرہ' وہ بھول جاتے ہیں کہ قوموں کا مزاج اشخاص یا چند مختصر گروہ واضح نہیں کر سکتے بلکہ اکثریت کثیرہ کا تاریخی وتیرہ قومی مزاج کا آئینہ دار ہوتا ہے' کیا ہندو برہمنی اور شودری سماج کا اجتماعی رویہ بدل گیا ہے؟ کیا آج بھی گائے کا پیشاب پوتر ہے یا نہیں؟ آج بھی گائے پر انسان قربان کیا جاتا ہے یا نہیں؟ آج انہی کا ہم مذہب اور ہم تہذیب اور ہمنام اچھوت' اسی طرح اچھوت ہے یا نہیں جیسے تین چار ہزار سال قبل تھا؟ اور آخر میں یہ کہ ہندو کے نزدیک مسلمان آج بھی ملیچھ ہے یا نہیں؟ ذرا کان دھر کر سنیں بابری مسجد کا ملبہ برہمنی تعصب کی کہانی سنا رہا ہے یا نہیں؟ مزید برآں یہ کہ کیا ہندو کے نزدیک اب بھی پاکستان' افغانستان' سمرقند' بخارا' نیپال' ملیشیا' برما' انڈونیشیا اور بنگلہ دیش قدیم اور پراچین بھارت کا حصہ ہیں یا نہیں؟

بنگلہ دیش (مشرقی پاکستان) اور مغربی پاکستان کے رقبے تو انہوں نے جون 1947ء کے منصوبہ تقسیم برعظیم کی رو سے عارضی طور پر مرکز سے الگ کئے تھے' کانگریس کی اس دور کی قراردادیں اور کانگریسی لیڈروں کے' گاندھی جی اور نہرو جی سمیت' بیانات موجود ہیں یا نہیں کہ پاکستان کا ظہور ایک عارضی معاملہ ہے؟ تقسیم عنقریب ختم ہو جائے گی' کیا ہندو قیادت اور ہندو آبادی کی غالب اکثریت کا یہ عقیدہ یا عزم تاحال بحال ہے یا نہیں؟ پھر ہمارے روشن خیال متعلقین ہمیں کس مصالحت کا درس دیتے ہیں اور ہماری قوتوں کو کیوں سستی اور غفلت کی معجونیں کھلاتے ہیں' یہ ہمیں کس ایمان و ایقان کے صدقے بھارت کے ساتھ کنفیڈریشن بنانے کی تلقین متین فرماتے ہیں' خدا کا شکر ہے کہ ایسے روشن ضمیروں کا کوئی خاص وزن نہیں' قوم کا عمومی مزاج بڑے مضبوط ایمان پر استوار ہے' یقیناً قوم کا بھرپور ایمان بقائے پاکستان کی تسلی بخش ضمانت ہے' **ولو کره الخدام الهندوس**۔

یہاں میں دشمن نواز عزیزوں اور بزرگوں کو دشمن سے مصالحت و مفاہمت کی ایک کہانی سناتا ہوں' ممکن ہے اخلاص اندیشان خام جلدی سنبھل جائیں اور قومی امنگوں سے ہم آہنگ ہو جائیں---- کہانی یوں ہے کہ

...کے حکمرانوں اور ...یوں نے ہسپانوی مسیحی ...کے ساتھ ... تک مفاہمت اور مصالحت پیدا کر ... جب ... نے قسطیبیہ فتح کر لیا تو غرناطہ کے ... کے ... بارے پیغام بھیجے اور جب مسیحیوں نے ... تو اس جشن میں غرناطہ کے مصالحت پسند بھی ... ------ پھر کیا مسیحیوں نے غرناطہ والوں کی ... مت کے ساتھ' مسیحیوں کی خاطر' کار خیانت کے مرتکب' غرناطہ والوں کو معاف کر دیا؟

اس ضمن میں ملاحظہ ہو "دار حسان" دمشق کی شائع کردہ کتاب "اخر ایام غرناطہ" صفحہ 100- مصنف نے ڈائری مرتب کی- وہ ان واقعات کا معاصر مشاہد ہے' نام ظاہر نہیں کیا-

میں مفاہمت پسند ادباء' عقلاء' حکما اور اطبا سے پوچھتا ہوں کہ کل کشمیر کی خدانخواستہ مکمل تباہی پر یا بنگلہ دیش کو مکمل طور پر مسخر و مغلوب کر لینے پر ہمارے یہاں کے اہل مصالحت اور مفاہمت کو بھارتی حکومت دعوت نامہ دے کہ آیئے ہمارے جشن فتح میں شامل ہو کر غلبہ کفر کا ڈنکا بجایئے تو ہمارے کنفیڈریشنی مردان متقی کا رویہ کیا ہو گا؟ کیا ویسا ہی ہو گا جو غرناطہ کے سرداروں نے قسطیلیہ کی فتح پر عیسائیوں کی خوشنودی کے لئے اختیار کیا تھا اور پھر کیا پاکستان اور ہندوستان' ہندو تعصب کی یورش سے محفوظ ہو جائے گا؟ ارشاد ربانی ہے "آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں"-

حضرت علامہ اقبالؒ نے اسرار خودی میں ایک جوان کا ذکر کیا ہے جو مرو کے علاقے سے آ کے حضرت علی ...یریؒ (داتا گنج بخش) کی خدمت میں حاضر ہوا تھا- اس نے شکایت کی کہ اس کے اقربا زور والے ہیں جن کی ... وہ پریشان ہے- حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا کہ ... کی چہل پہل دشمنوں کی وجہ سے ہوتی ہے -

خوب اگر دانی عدو ہم یار تست
ہستیٔ او رونقِ بازار تست

(اگر تم حقیقت کو اچھی طرح سمجھ سکو تو تم پر واضح ہو جائے کہ تمہارا دشمن دراصل تمہارا دوست ہے اس کا وجود تمہارے بازار حیات کی رونق ہے) -

ہرکہ دانائے مقاماتِ خودی است
فضلِ حق داند اگر دشمن قوی است

(ہر وہ شخص جو خود نگری و خود داری کے مقامات و درجات کو سمجھتا ہے وہ طاقت ور دشمن کو اپنے حق میں فضل خداوندی گردانتا ہے)

کمزور اور مریل دشمن کے باعث سستی اور غفلت در آتی ہے- طاقت ور دشمن مزاحمت کا جذبہ پیدا کر کے ہماری قوت میں اضافہ کرتا ہے- ہمیں خوشی ہے کہ ہم اپنے سے کئی گنا زیادہ طاقتور دشمن کی نظر میں کمزور نہیں ہیں- الٹا اسے ہماری جانب سے دھڑکا لگا رہتا ہے-

"ہر چند کہ ہم اقوام متحدہ کے منشور کی پوری تائید کرتے ہیں' پھر بھی اپنے دفاع کی طرف سے غافل نہیں رہ سکتے' کیونکہ اقوام متحدہ کا ادارہ کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو جائے' اپنے وطن کے دفاع کی بنیادی ذمہ داری ہماری ہی رہے گی اور اس لئے ضروری ہے کہ پاکستان تمام خطرات اور آنے والے حوادث سے مقابلہ کرنے کے لئے بالکل تیار رہے- اس ناقص دنیا میں کمزوری اور نہتا پن دوسروں کو حملے کی دعوت دینے کے مترادف ہے- لیکن امن عالم کی بہترین خدمت یونہی ہو سکتی ہے کہ ہم ان لوگوں کو جو ہمیں کمزور سمجھ کر ہم پر حملہ کرنے یا چھا جانے کی نیت رکھتے ہوں' موقع نہ دیں- یہ صرف اس وقت ہو سکتا ہے جب ہم اتنے مضبوط ہو جائیں کہ کسی کو ہماری طرف بری نیت سے دیکھنے کی جرات نہ ہو سکے"-

(قائداعظمؒ 23 جنوری 1948ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(محمد ظہیر۔ کراچی)

عشقِ رسولؐ اور پرویزؒ

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰؐ است!

موضوع زیر نظر بظاہر آسان اور سہل معلوم ہوتا ہے' اس لئے کہ جناب پرویزؒ کی تمام تصنیفات' مضامین و خطابات اور "طلوع اسلام" کے فائل ذات رسالتمآبؐ سے جناب پرویزؒ کی عقیدت و محبت کے آئینہ دار ہیں۔ لیکن میرے لئے اس کا بیان کرنا بڑا ہی مشکل ہے۔ اول تو اس لئے کہ :۔

تانداری از محمدؐ رنگ و بو
از درودِ خود میالا نامِ او

اور دوئم یہ کہ :۔

اس موضوع کا تعلق ایک فرد کے ذاتی جذبات و احساسات اور انتہائے عشق و مستی سے ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ بقول کسے' یہاں فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں۔

ایک اسکالر' ایک مفکر' ایک محقق اور ایک عالم دین' مختلف موضوعات پر متعدد کتب تصنیف کرتا ہے' سینکڑوں مضامین و مقالات دنیائے علم و ادب کے سامنے پیش کرتا ہے' قرآن حکیم میں مذکور انبیائے کرامؑ کے حالات' ارباب بصیرت اور اصحاب فکر و نظر کی بارگاہ میں تحریر کر کے لاتا ہے۔ لیکن جب یہی مفکر اس مقام عشق میں پہنچتا ہے' تو وہ پکار اٹھتا ہے کہ :۔

میقات پر پہنچ کر ہر زائرِ حریمِ اقدس کا ولولۂ شوق تیز اور راحلۂ ذوق عناں گسیختہ ہو جاتا ہے کہ منزل کا قرب اور عید نظارہ کی کشش اس کے رگ و پے میں بجلیاں بھر دیتی ہے۔ لیکن اس مقام پر میرا یہ عالم ہے کہ ذوق و شوق کی تمام برق آسا بے قراریاں اور جذب و کیف کی والہانہ سرمستیاں یکسر حیرت بن گئیں کہ یہ وہ مقام ہے جہاں کا ہر ذرہ ذرہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ :۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید' جنید و بایزید ایں جا!

(معراجِ انسانیت از علامہ پرویزؒ۔ فاتحۃ الکتاب)

بہرحال ہمت کر کے ہم لرزتے ہوئے قلم اور کپکپاتے ہونٹوں کے ساتھ اس وادی میں اترتے ہیں۔ بالخصوص یہ احسان ہے کہ آپ نے' عمر بھر کے تدبر و تفکر فی القرآن کے بعد حضور سرور عالمؐ کی حیات طیبہ کو اس کے حقیقی خط و خال میں' قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ اتنا ہی نہیں محترم موصوف نے اپنوں یا غیروں کی جانب سے دانستہ یا نادانستہ طور پر رسول عربیؐ کی ذات والا صفات کی جانب منسوب واقعات و نظریات و اعتراضات کو قرآن حکیم اور عقل و بصیرت پر مبنی قطعی دلائل و براہین سے باطل اور غلط ٹھہرایا ہے۔ نیز آپ نے حضورؐ کی عائلی' معاشرتی' تمدنی اور سیاسی زندگی کے ہر ہر پہلو کو ایسے دلنشیں انداز میں پیش کیا ہے جس سے ہر ذی ہوش اور حساس انسان کے دل میں اس ذات اقدس و اعظمؐ کا حقیقی احترام اور لازوال محبت جاگزیں ہو جاتی ہے۔ اور

[illegible] ہے کہ اگر قرآن کریم حروف و نقوش کی [illegible] میں قرآن انسانیت کی انتہائی بلندیوں کا ترجمان ہے تو سیرت محمدیہ ﷺ ان میں بلندیوں کا چلتا پھرتا حسین [illegible] اور سیرت میں قرآن کی تفسیر ناطق ہے۔

یہ تو خیر پھر بھی بعد کی بات ہے۔ موصوف نے عنفوان شباب ہی میں تحفظ ناموس رسالت کے سلسلہ میں اپنے دوسرے ساتھیوں سے مل کر اپنے قصبہ بٹالہ میں ایک انجمن "انجمن شباب المسلمین" کے نام سے قائم کی۔ جس کے [illegible] مقصد مرزائیوں کے خلاف اجتماعات کا انعقاد تھا۔ جو (قریب قریب) سال بھر منعقد ہوتے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ خود قادیان جا کر بھی ان جلسوں کا انعقاد عمل میں لایا جاتا تھا۔ اس جلسے میں ہندوستان بھر کے جید علماء و مقررین (بالخصوص علمائے دیو بند) شرکت کرتے تھے۔

تحفظ ختم نبوت

1926ء میں (سابق ریاست) بہاولپور کی ایک عدالت میں ایک مسلمان خاتون نے یہ دعویٰ دائر کیا کہ اس کا خاوند مرزائی ہو جانے کی وجہ سے مرتد ہو گیا ہے' اس لئے اس کے ساتھ مدعیہ کے نکاح کی تنسیخ کر دی جائے۔

یہ مقدمہ قریب نو سال تک چلتا رہا' بالاخر 7 فروری 1935ء کو اس کا فیصلہ محترم محمد اکبر' ڈسٹرکٹ جج ضلع بہاول نگر نے سنا دیا۔ اس فیصلہ میں فاضل جج نے لکھا تھا کہ جس نکتہ پر فیصلہ کا مدار تھا' وہ یہ تھا کہ مقام نبوت کیا ہوتا ہے اور نبیؑ کی تعریف (Definition) کیا ہے؟

یہ نکتہ حل نہیں ہو رہا تھا کیونکہ نبی کی کوئی قابل اطمینان تعریف پیش نہیں کی جا رہی تھی--- اس دشواری کا تفصیلی تذکرہ کرنے کے بعد انہوں نے لکھا کہ:-

آخر کار ایک رسالہ میں ایک مضمون' بعنوان---- میکانکی اسلام--- از جناب چوہدری غلام احمد صاحب [illegible] میری نظر سے گزرا۔ اس میں انہوں نے مذہب کے متعلق آج کل کے "روشن ضمیر" طبقہ کے خیالات کی ترجمانی کی ہے اور پھر خود ہی اس کے حقائق بیان کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں نبوت کی جو حقیقت انہوں نے بیان کی ہے میری رائے میں اس سے بہتر اور کوئی بیان نہیں کی جا سکتی اور میرے خیال میں فریقین میں سے کسی کو اس پر انکار بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میں ان کے الفاظ میں اس حقیقت کو بیان کرتا ہوں۔

اس کے بعد انہوں نے جناب پرویز کے محولہ بالا مضمون کے مندرجات تحریر کئے ہیں اور آخر میں فیصلہ یہ دیا کہ:-

مدعا علیہ' قادیانی عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح تاریخ ارتداد مدعا علیہ سے فسخ ہو چکا ہے۔

(ختم نبوت اور تحریک "احمدیت" از علامہ پرویز پہلا باب ص 16 تا 20 -- نیز ماہنامہ طلوع اسلام۔ اکتوبر 1976ء۔ لمعات)

ضمناً" یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ "احمدیوں" کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ سب سے پہلے حکیم الامت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمتہ نے کیا اور "احمدیوں" کو عدالت کی جانب سے غیر مسلم اور مرتد قرار دیئے جانے کا سبب جناب پرویز کا ایک مضمون تھا۔

بہرحال ان ہر دو حضرات کی کوششوں' جناب پرویز کی متعدد نگارشات (مثلاً معراج انسانیت' سلیم کے نام کے متعلقہ مضامین' ختم نبوت پر مضامین و مقالات وغیرہ) کی صدائے بازگشت اور ملت اسلامیہ کے متفقہ مطالبہ پر حکومت پاکستان نے "احمدیوں" کو غیر مسلم قرار دیا تو پرویز صاحب کو اس سے کس قدر مسرت حاصل ہوئی' یہ آپ مجھ سے نہیں' ان ہی کی زبانی سنئے--- وہ فرماتے ہیں کہ:-

8 ستمبر (اتوار) کی صبح جب میں اپنے ہفتہ واری درس قرآن کریم کیلئے بیٹھا تو یہ الفاظ بے ساختہ میری زبان پر آ گئے۔

عزیزان گرامی قدر!

آج کا دن میری زندگی کا مبارک ترین، شاداب ترین، حسین ترین دن ہے کہ آج میرا عمر بھر کا مشن تکمیل کی منزل تک پہنچ گیا۔ تحفظ ناموس رسالتؐ جسے ختم نبوت سے تعبیر کیا جاتا ہے، میرے ایمان کی بنیاد اور میری زندگی کا مقصد رہا، اور ہے۔ للّٰہ الحمد کہ میری یہ آرزو پوری ہوئی، میرا یہ مقصد اس شکل میں حاصل ہوا کہ مملکت پاکستان نے آئینی اور قانونی رو سے فیصلہ کر دیا کہ ختم نبوت کا منکر مسلمان قرار نہیں پا سکتا۔ اسے امت محمدیہؐ کا فرد تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ میرے لئے یہ دن بارگاہ ایزدی میں ہزارہا سجدہ تہنیت و عقیدت پیش کرنے کی ساعت سعید ہے۔

("لمعات" ماہنامہ طلوع اسلام۔ اکتوبر 1974ء)

میں نے اپنے مقالہ کے آغاز میں کہا تھا کہ پرویز صاحب نے جس طرح واضح اور بین، ابھار اور نکھار کر ہمارے سامنے سیرت محمدیہؐ کو پیش کیا ہے تو موصوف کا ہم پر یہ عظیم احسان ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر قلب پرویز میں عشق مصطفیٰؐ جاگزیں نہ ہوتا تو ؎

گر عشق نہ بودے و غم عشق نہ بودے
ایں ہا سخن نغز کہ گفتے، کہ شنودے

ہم ان کے اس احسان سے محروم رہتے، بلکہ آج فکر و نظر کی یہ بلندی اور اسلام کی یہ واضح تصویر ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوتی اور انسانیت کو اپنے مقام بلند کی شناسائی کے لئے سالہا کسی دانائے راز اور چمن کو ہزارہا برس کسی دیدہ ور کا انتظار کرنا پڑتا اور اس سے جو نقصان و خسران کاروان انسانیت کو برداشت کرنا پڑتا، اس کے تصور سے ہی ہر راہرو منزل کا قلب سلیم ناامیدیوں، اور مایوسیوں کا مسکن بن جاتا۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ جناب پرویز لا کی منزل سے گزر رہے تھے اور الا ہنوز ان کے سامنے نہیں تھا۔ اس منزل کی روداد بیان کرتے ہوئے وہ اپنی عظیم شاہکار تصنیف "شاہکار رسالت" کے گزرگاہ خیال میں رقم طراز ہیں:-

ان حالات میں عین ممکن تھا کہ میں اسلام ہی سے برگشتہ ہو جاتا۔ (لیکن میری انتہائی خوش بختی کہ) اس ورطہ لا میں ایسا جاذبہ موجود رہا جو ان تلاطم خیزیوں میں میری کشتی کا لنگر بن گیا اور وہ جاذبہ تھا حضور نبی اکرمؐ کی ذات اقدس و اعظمؐ کے ساتھ میری بے پناہ عقیدت ہی نہیں محبت۔ میرا ایمان تھا کہ ایسی عظیم ہستیؐ جس نے انسانوں کی داخلی اور خارجی دنیا میں ایسا تحیر انگیز انقلاب برپا کر دیا تھا، نہ تو (معاذ اللہ) فریب خوردہ ہو سکتی ہے، نہ فریب کار، اس لئے جب آپؐ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید نہ میری، نہ کسی اور انسان کی فکری تخلیق ہے بلکہ یہ خدا کا کلام ہے تو مجھے اس دعویٰ کو یونہی نہیں جھٹک دینا چاہئے۔ انتظار کرنا چاہئے۔ انتظار کرنا چاہئے۔ تاآنکہ میں قرآن کو خود سمجھنے کے قابل ہو جاؤں۔ بس یہ تھا ایک سہارا (اور کس قدر محکم سہارا) جس نے مجھے ان طوفانوں میں تھامے رکھا اور میرے پاؤں میں لغزش نہ آنے دی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس سے کم کشش کی کوئی قوت مجھے اس ورطہ میں سنبھال نہیں سکتی تھی، سچ ہے ؎

تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود ایک سیل ہے، سیل کو لیتا ہے تھام

کس قدر احسان عظیم ہے اس ذرہ ناچیز پر اس آفتاب عالمتابؐ کا کہ اس کی رحمتہ اللعالمینی کے تصدق مجھے منزل ملی، مقام ملا، مدعا ملا ؎

کوثر چکد از لبم، بایں تشنہ لبی
خاور دمداز شبم، بایں تیرہ شبی
اے دوست ادب، کہ در حریم دل ماست
شاہنشہ انبیاءؐ رسولؐ عربی

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (33:56)

ناموس رسالتؐ

جناب پرویز نے اپنی پوری زندگی حفاظت قرآن کریم اور تحفظ ناموس رسالت کے لئے وقف کیے رکھی۔ اس سلسلہ میں دو ایک مثالیں پیش کرتا ہوں۔

تقسیم ہند سے بہت پہلے کا ذکر ہے امریکہ کے ایک [illegible] اخبار نے حضور ختمی مرتبت سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات اقدس کے متعلق نازیبا الفاظ استعمال کئے جس کے خلاف سر عبدالحلیم غزنوی صاحب نے اسمبلی میں تحریک التوا پیش کی تھی۔ 7 نومبر 1941ء کے طلوع اسلام کے صفحہ 50,51 پر پرویز صاحب لکھتے ہیں:

دنیا کو شاید معلوم نہیں کہ ایک مسلمان کے نزدیک جس کے دل میں ایمان کی کوئی کرن موجود ہے حضور سرور عالم ﷺ کی قدر و منزلت کیا ہے؟ وہ ذات گرامی (فداہ امی و ابی) جن پر ایمان ہمارے لئے باعث نجات و سعادت اور جن کی محبت سرمایہ زندگی و متاع حیات ہے' ہمارے نزدیک معراج انسانیت کا مظہر اتم اور دنیا و آخرت کی بلند ترین سرفرازیوں کا پیکر مقدس ہے۔ اس ذات فخر موجودات کی شان میں نازیبا الفاظ تو کجا' ہم تو ان کوچوں اور گلیوں کی توہین بھی برداشت نہیں کر سکتے' جن کے ذرات کو اس پیکر رفعت و عظمت کی کفش بوسی کی سعادت نصیب ہو گئی۔ خوشا بخت ہیں وہ راہیں جن میں وہ شمع فروزاں ضیا بار و جلوہ ریز ہوئی۔ اور زہے نصیب خاک کے ان ذروں کے جو ان درخشندہ و تابناک نقوش قدم کے چومنے سے آسمان کی بلندیوں پر پہنچ گئے۔

دنیا کیا جانے کہ اس پیکر محبوبیت کے ساتھ ہمارے قلوب کا یہ رشتہ ہے! .... ایک زندگی کیا ہزار بار زندگی نصیب ہو اور ہزار بار اس شہنشاہ کونینؐ کی ناموس پر نچھاور ہو جائے تو پھر بھی دل کی تمنا بر نہ آئے۔ جس سینے میں عشق رسولؐ کا سوز نہیں وہ سینہ نہیں' بدبختیوں اور تاریکیوں کا قبرستان ہے۔ جس دل میں ناموس محمدؐ پر مرمٹنے کی تمنا نہیں وہ دل نہیں' بوم و کرگس کا وحشت انگیز کاشانہ ہے!

ماہنامہ طلوع اسلام مارچ 1962ء کے لمعات کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰؐ است

موقر جریدہ ڈان (اور اس کے بعد دیگر جرائد جنہوں نے اس سلسلہ میں کچھ لکھا ہے) ملت اسلامیہ کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے قوم کی توجہ ایک ایسے خطرہ کی طرف مبذول کرائی ہے جو اگر (خدانکردہ) معرض وجود میں آگیا تو اس کے نتائج ہولناک' روح فرسا اور قیامت خیز ہوں گے' جن کے تصور سے روح کانپ اٹھی ہے اور جو دنیا کے طول و عرض میں بسنے والے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں کو وقف اضطراب کر دیں گے وہ خبر' جسے ہم دل پر پتھر رکھ کر شائع کرنے کی ہمت کر رہے ہیں۔

بعد ازیں اٹلی اور امریکہ کی دو فلم کمپنیوں کی آنحضرتؐ کی زندگی کو فلمانے کی تیاریوں کی (نوائے وقت' 10 فروری 1962ء شائع کردہ) خبر ہے۔ اس کے بعد لمعات میں لکھا گیا:-

جہاں تک غیر مسلموں کا تعلق ہے وہ اس کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتے کہ ہم مسلمانوں کے نزدیک حضورؐ ختمی مرتبت (فداہ' ابی و امی) نبی اکرمؐ کے شرف و مجد کا مقام بلند و بالا کیا ہے اور ہمارے قلوب میں اس ذات گرامی کی رفعت و عظمت کس شدت کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ (غیر مسلم اقوام) جانتی ہی نہیں کہ ایک نبیؑ کا صحیح مقام کیا ہوتا ہے اور وہ کس طرح اپنے متبعین کی زندگی کا جزو بن چکا ہوتا ہے' جزو زندگی ہی نہیں بلکہ زندگی سے بھی عزیز۔ ماں باپ۔ بہن بھائی۔ اعزہ و اقارب۔ مال و دولت۔ غرضیکہ دنیا کے حبیب سے حبیب تر رشتہ' اور عزیز سے عزیز تر متاع سے

کہیں زیادہ حبیب اور عزیز۔۔۔ اور یہ چیز کسی فرد کے ذاتی جذبات کی نہیں بلکہ قرآن کریم کی رو سے مومن ہونے کی شرط ہے۔ کیونکہ اس کا ارشاد ہے کہ :

اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَاَزۡوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمۡ (33:6)

مومنین کو نبی سے' اپنی جان سے بھی زیادہ لگاؤ ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

طلوع اسلام نے اپنے ان لمعات میں اس بدعت ضالہ کی زبردست دلائل و براہین سے تردید کی۔ ملت مسلمہ سے اتحاد و اتفاق اور اس کے خلاف احتجاج کی دردمندانہ اپیل کی گئی اور آخر میں حکومت سے کہا گیا کہ :-

"اگر حکومت وقتاً" فوقتاً" بتاتی رہے کہ اس ضمن میں کیا کچھ ہو رہا ہے تو وہ ہمارے جیسے کروڑوں مضطرب قلوب کے لئے وجہ شکیبائی اور باعث صد تشکر و امتنان ہو گا"۔

سامعین گرامی قدر ! یہ ہے وہ شخصیت جس کے متعلق یہ مشہور کیا جاتا ہے کہ وہ "منکر حدیث" ہے "منکر شان رسالت" ہے۔ یہ سب جھوٹا پروپیگنڈہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پرویز صاحب نہ تو منکر حدیث ہیں اور نہ ہی (نعوذ باللہ) منکر شان رسالتؐ۔ بلکہ انسانیت کے اس محسن اعظم محمدؐ الرسول اللہ کے عاشق و شیدا اور اپنی جان و مال اور اپنے خون کا ایک ایک قطرہ انؐ پر نثار کرنا اپنی سعادت و خوش بختی سمجھنے والے۔ ان کی تو کیفیت یہ تھی کہ اگر رسولؐ اللہ کا اسم گرامی نمناً" بھی کسی کی زبان پر آجاتا تو پرویز کی آنکھوں کے پیمانے لبریز ہو کر چھلکنے لگ جاتے۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ وہ ہر ایسی روایت کو وضعی اور جھوٹی قرار دیتے جس سے ذات رسالتمآبؐ کی شان اقدس یا قران حکیم پر زد پڑتی ہو۔

وہ تو یہاں تک کہا کرتے کہ :-

ترا کشید و دست از قلم کشید خدا

جناب پرویز کی' بارگاہ رسالتؐ میں عظیم پیش کش "معراج انسانیت" عشق و خرد کا حسین امتزاج ہے۔ اس کے ایک دو اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

اے ظہورِ تو شبابِ زندگی

خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا' آخری مرتبہ کہہ دیا۔ شرف انسانیت کی تکمیل کے لئے جو قوانین دیئے جانے تھے وہ اپنی انتہائی شکل میں دے دیئے گئے۔ اس کے بعد انسان کو اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے نہ کسی دوسری مشعل راہ کی ضرورت اور نہ کسی اور ہادی طریقت کی احتیاج رہی۔ اب انسانیت کے مقام بلند تک پہنچنے کے لئے وہی ایک صراط مستقیم ہے جس پر اس ذات اقدس و اعظمؐ کے نقوش قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اور جنہیں دیکھ کر ہر دیدہ ور پکار اٹھتا ہے کہ :-

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہِ مصطفیؐ رو

مقامِ محمودیت :-

یہ واقعہ نفس الامری کا اظہار ہے کہ دنیائے انسانیت میں آج جو کچھ قابل حمد و ستائش اور در خور تحسین و تبریک نظر آتا ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ایک نسبت رکھتا ہے ذات محمدؐ الرسول اللہ سے اور جو انسان چاہتا ہے کہ وہ در خور حمد و ستائش ہو جائے وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اسی کوشش میں ہے کہ اس راستے پر چل نکلے جو سیرت محمدیہؐ نے دنیا میں متعین کر کے دکھایا۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یاز نورِ مصطفیؐ او را بہا است
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیؐ است

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دین مذہب میں کیسے تبدیل ہو گیا

اس میں شک نہیں کہ انسان نے ہمیشہ اپنے ہی ہم جنس انسان سے اپنی پوجا کروائی ہے۔ اس کی شکلیں مختلف تو ہو سکتی ہیں لیکن پوجا کی روح سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا۔ تاریخ کے اوراق اس حقیقت پر بھی گواہ ہیں کہ انسان مختلف ادوار میں جس چیز یا جاندار سے متاثر ہوا ہے اپنے لاشعوری خوف کو ختم کرنے کے لئے اس کی پوجا شروع کر دی ہے۔ یہی کچھ آج ہندوؤں میں ہم بڑی آسانی سے دیکھ سکتے ہیں۔ ہندو اگر ہاتھی سے متاثر ہوا ہے تو اس کا مجسمہ مندر میں لاکھڑا کر دیا گیا ہے اور اگر آگ سے کوئی تاثر لیا ہے تو اگنی دیوتا کا مجسمہ تیار کر ڈالا۔

وقت کے ساتھ ساتھ انسان کی ذہنی سطح بلند ہوتی گئی اور ایک وقت آیا کہ اتنی بلند ہوئی کہ اس نے ہر چیز سے انکار کر دیا یہاں تک کہ خالق کائنات کے وجود سے بھی انکار کر دیا اور یہی کہنے لگا کہ یہ سب کچھ خود بخود وجود میں آیا ہے۔ اس کے پیچھے نہ کوئی طاقت اور نہ ہی کوئی ہاتھ کارفرما ہے۔ آپ غور کریں تو یہ دونوں مدیں ایک دوسرے سے متضاد ہیں اور دونوں اپنے طور پر انتہائی اقدام ہیں۔ ان سے ملتا جلتا ایک اور نظریہ بھی وجود میں آیا کہ دنیا اور دنیاوی کاموں کا تعلق آخرت اور اخروی کاموں کے ساتھ بالکل نہیں۔ یعنی دنیا داری اپنی جگہ اور مذہبی امور کی ادائیگی اپنی جگہ پر۔ یعنی ایک شخص اگر ناجائز ذرائع سے دولت کماتا ہے اور پھر اس دولت سے مذہب کو اپنا حصہ دے دیتا ہے تو اس پر ایسی کوئی گرفت نہیں ہو گی۔ (ناجائز سے مراد وہ قوانین ہیں جو اس دولت کے کمانے کے راستے میں حائل ہیں ان کا تعلق خواہ دنیاوی قوانین یعنی انسانی وضع کردہ قوانین سے ہو یا قوانین خداوندی سے)۔ مثلاً" ایک شخص شراب کا کاروبار کرتا ہے تو یہ اس کا دنیاوی فعل ہے۔ اپنی اس کمائی میں سے اگر وہ ڈھائی فی صد یا اس سے زیادہ مذہب کو دیتا ہے یعنی اس سے ایک مسجد تعمیر کرتا ہے یا کسی کو حج پر بھیجتا ہے تو مولوی صاحب (مذہب) اسے جنت کا سرٹیفکیٹ جاری کر دیتا ہے۔ یہی وہ مذہب کی ثنویت ہے جس میں دنیا کا کام دنیا میں اور آخرت کا کام نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج سے ہے۔

ذرا لفظ مذہب کے معنی اور ابتدا پر غور کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ لفظ مذہب پورے قرآن کریم میں نہیں ہے۔ اگرچہ یہ عربی لفظ ہے لیکن اس کے باوجود قرآن کریم میں نہیں پایا جاتا۔ حالانکہ اس کے اپنے معنی ہی راستہ کے ہیں۔ بعض عربی الفاظ ایسے ہیں جو زبان زدِ عام ہیں اور بڑے ہی مقدس معنوں میں استعمال ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود قرآن کریم نے ان الفاظ کو نہیں اپنایا۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے تو اس کا مختصر جواب یہی ہے کہ یہ الفاظ ہی تو ہیں جن کے ہم معنی نکالتے ہیں اور اس کے

بعد کسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ مثلاً" ایک بار پھر غور فرمائیں۔ آئین بھی عربی لفظ ہے اور ان ہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن معنوں میں ہم اسے استعمال کرتے ہیں یا جسے انگریزی میں Constitution کہا جاتا ہے۔ اسی طرح قانون کا لفظ بھی عربی ہے لیکن اس کے باوجود قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ حالانکہ اگر دیکھا جائے تو خود قرآن کریم آئین یا قانون کی ایک کتاب یا دستاویز ہے۔ اس خیال کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ ایک وقت آئیگا جب انسان اپنے وضع کئے ہوئے ضابطوں کا نام قانون یا آئین رکھے گا اس لئے ان الفاظ کو مجھے (اللہ تعالیٰ کو) استعمال نہیں کرنا چاہئے اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا ہو رہا ہے اور ہوتا رہیگا۔ ان الفاظ میں سے ایک لفظ مذہب ہے جو قرآن کریم کی بامعنی اصطلاح دین کے مقابلہ میں وضع کیا گیا ہے۔ اس کی ایک اور مثال پیش خدمت ہے۔ "شک" عربی زبان ہی کا لفظ ہے لیکن اپنے اندر اتنی وسعت معنوی لحاظ سے نہیں رکھتا جتنا کہ لفظ "ریب" رکھتا ہے۔ (یہ ایک علیحدہ موضوع ہے)۔

قرآن کریم نے جو ضابطہ حیات انسان کو دیا اس کا نام "دین" رکھا۔ اس کا نعم البدل لفظ کہیں بھی نہیں ہے اور اسے انگریزی میں "Code" کہا جاتا ہے اس کے باوجود یہ اتنا وسیع المعانی نہیں جتنا کہ لفظ دین ہے۔ ہمارے ہاں انگریزی قوانین میں ضابطہ دیوانی اور ضابطہ فوجداری (Civil Procedure Code اور Pakistan Penal Code) ہیں۔ اولذکر میں لین دین، جائیداد، معاملات وغیرہ سے متعلق قوانین ہیں اور آخرالذکر میں لڑائی، جھگڑا، قتل، ڈاکہ وغیرہ سے متعلق قوانین ہیں۔ یہ لارڈ میکالے کے تیار کردہ ہیں اور اپنے طور پر اتنے محکم ہیں کہ ان میں قدرے تبدیلی سے جرم کی نوعیت کیا سے کیا ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ملک میں جو کچھ کسی بھی ضابطے کی شکل میں موجود ہے وہ قانون ہے۔ یہ سب کے سب آئین یا Constitution کے ماتحت ہیں۔ اسے یوں سمجھا جائے کہ Code تو دین ہوا اور اس کے علاوہ جو کچھ ہو گا وہ قانون (انسانی وضع کردہ) یا مذہب ہو گا۔

یہی وہ باریک نکتہ ہے جس کا سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ دین میں انسانی آمیزش ناممکن ہے جبکہ مذہب کی بنیاد ہی انسان نے فراہم کی ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ دین، مذہب میں کیسے تبدیل ہو گیا۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ ہر عمل کا رد عمل ضرور ہوتا ہے اور پھر بعض حالات میں یہ رد عمل اتنا شدید اور پراثر ہو جاتا ہے کہ عمل کسی کو یاد ہی نہیں رہتا۔ مثلاً" اس کی ایک چھوٹی سی مثال یوں دی جا سکتی ہے۔ مجھے یاد ہے اور میری عمر کے اکثر بزرگوں کو بھی یاد ہو گا عام درمیانہ درجہ کے لوگ بازار سے خالص گھی خرید کر لاتے اور استعمال کرتے تھے۔ (جو اب ناپید ہے اور دل کی بیماری کا سب سے بڑا سبب گردانا گیا ہے)۔ راقم کو پختہ سیر ایک روپیہ چار آنے کا یاد ہے۔ پھر تھوڑی مدت کے بعد بازار میں ڈالڈا متعارف ہوا جسے عام لوگ بھی ڈالڈا کہہ کر خریدتے اور ڈالڈا کہہ کر استعمال کرتے۔ یہ عام طور پر لوگ چھپا کر گھروں میں لے جاتے اور اسے استعمال کرتے۔ گذشتہ بیس سال تک لوگ اسے ڈالڈا کہا کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ گھی ناپید ہونا شروع ہوا اور اس کی جگہ ڈالڈا نے گھی کے نام سے لے لی۔ اب اسے کوئی ڈالڈا نہیں کہتا بلکہ گھی ہی کہا جاتا ہے۔ حالانکہ تبرکاً" اس کے ڈبوں پر ڈالڈا ہی لکھا ہوتا ہے۔

بس یہی کچھ ہمیشہ دین کے ساتھ ہوا۔ دین اپنی اصلی شکل میں قرآن کریم میں موجود تبرکاً" رہ گیا اور اس کی جگہ مذہب نے لے لی۔ پھر مذہب بھی ثنویت کا

شکار ہو گیا۔ مذہب مولوی صاحب کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات کا نام قرار پا گیا۔ جبکہ دنیاوی امور حاکم وقت کے حصے میں آگئے۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں جب ملوکیت نے اپنی جڑیں مضبوط کر لی تھیں تو محراب و منبر مولوی صاحب یعنی مذہب کے حصہ میں آگیا اور دنیاوی امور' سلطنت' حکومت' بادشاہت' فیصلے' سیاسیات سب کے سب حاکم وقت کے حصے میں آگئے۔ بادشاہ نے عوام کو اگر خطاب کرنا ہوتا تو مولوی نے اس سے کم لفظ پر سودا نہیں کرنا تھا' اپنے لئے خطبے کا لفظ پسند کیا۔ ظاہر ہے اس لفظ کا تقدس اس وقت تک برقرار رکھا جا سکتا تھا جب تک یہ عربی نہ ہو۔ اس طرح کلیسا اور تخت کی سرد جنگ کا آغاز ہوا جو آج تک آپ کے سامنے ہے۔ حالانکہ قرآن کریم نے یکسر اس ثنویت کی جڑیں کاٹ کر رکھ دی ہیں۔ وہ سرے سے کسی انسانی حکومت جو کسی بھی شکل میں ہو' چاہے ملوکیت ہو' پاپائیت ہو' بادشاہت ہو' خلافت ہو' سوشلزم یا اسلامی سوشلزم ہو' جمہوریت ہو یا اسلامی جمہوریت ہو قبول کرنے کو تیار نہیں۔ یعنی ایسی حکومت جس میں انسان خود انسان کا محکوم ہو یہ تعلیمات قرآن کے خلاف تصور ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ○ (3:79)-

مفہوم : دین کا اصول یہ ہے کہ محکومیت اللہ کے قانون کے سوا اور کسی کی اختیار نہیں کی جا سکتی۔ اس باب میں اس کا فیصلہ یہ ہے کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ اللہ اسے ضابطہ قوانین' حکومت اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہنا شروع کر دے کہ تم خدا کے احکام کی جگہ میرے احکام کی اطاعت کرو اس کی تعلیم یہی ہو گی کہ تم سب اس کتاب خداوندی کی اطاعت سے' جس کی تم دوسروں کو تعلیم دیتے ہو' جس پر غور و تدبر سے اس کے مغز تک پہنچتے ہو ربانی (یعنی اس کے نظام ربوبیت کے علمبردار) بن جاؤ۔

اسی آیت کے آگے ہے کہ وہ تمہیں ملائکہ کی اطاعت کا بھی حکم نہیں دیگا۔ بلکہ وہ یہی تعلیم دیگا کہ تم اطاعت خداوندی کرو۔

اس سے زیادہ آزادی اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ آزادی مذہب کے مزاج کے یکسر خلاف ہے۔ دین میں سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ زندگی کے عام چھوٹے چھوٹے مسائل سے لے کر رموز مملکت تک کے تمام کام احکام خداوندی کے تابع ہوں گے۔ قرآن کریم یعنی دین صرف اصول پیش کرتا ہے سوائے چند اہم امور کی جزئیات کے۔ ان اصولوں کو مدنظر رکھ کر زندگی گزارنے کا نام دین پر عمل پیرا ہونا ہے۔ اس کے علاوہ اگر اس میں قدرے کسی بھی شکل میں ملاوٹ ہو گی تو وہ دین نہیں ہو گا مذہب ہو سکتا ہے۔

دین کے نتائج ہمیشہ مثبت اور دو اور دو چار کے اصولوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ جبکہ مذہب کا سب سے بڑا نتیجہ تذبذب ہوتا ہے۔ اس کے نتائج کبھی چار' کبھی چھ' کبھی بائیس اور کبھی کچھ بھی نہیں ہوتے۔ اس کی زندہ مثال کچھ یوں ہے کہ کسی مذہبی آستانے پر لوگ حاضری دیتے ہیں جن میں سے بعض کی مرادیں پوری ہو جاتی ہیں اکثر کی نہیں ہوتیں۔ جس کی مراد پوری ہوئی اس کا عقیدہ مزید پختہ ہوا جس کی مراد پوری نہ ہو سکی اس کے مانگنے کا ڈھنگ درست نہ تھا۔ یہ خود فریبی مذہب کی پیدا کردہ ہے۔ دین میں کسی قسم کی خود فریبی نہیں۔ ایک اور مثال لیجئے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ "ہم (مسلمان) کیوں ذلیل ہیں"۔ یا ہماری نمازیں کیوں بے اثر ہیں۔ یہ دونوں حقیقتیں اپنی جگہ پر مسلم ہیں۔

کوئی یہ نہیں سوچتا کہ ہماری نمازیں اس لئے بے اثر ہیں کہ وہ رٹی رٹائی ہوتی ہیں۔ **سبحانک اللھم** پر شروع ہوتی ہیں اور **رحمتہ اللہ و برکاتہ** پر ختم ہو جاتی ہیں۔ اکیلے یا مولوی صاحب کے اللہ اکبر کہتے ہی مخصوص حرکات و سکنات کر کے سلام پھیرنے پر ختم کر دیتے ہیں۔ نہ مولوی صاحب کو علم ہے کہ میں نے کیا کیا اور نہ ہی مقتدی کو علم ہے کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ بس ایک معمول کا فریضہ ہے جو اپنے اوپر لاگو کر دیا گیا ہے اور بس۔ جونہی وہ مسجد سے باہر نکلتا ہے اپنی روزمرہ کی مصروفیات میں مگن ہو جاتا ہے اور یہ سلسلہ سالہا سال تک جاری رہتا ہے۔ کسی کو یہ پوچھنے کی جرات تک نہیں کہ آخر اس کا مطلب کیا ہے۔ وہی الفاظ دن میں کئی بار دہرائے جاتے ہیں جن میں سے پچانوے فی صد ایسے ہیں جو سرے سے ان الفاظ کے معانی تک نہیں جانتے۔ بس رٹے ہوئے الفاظ ہیں جو پشت در پشت پڑھے اور پڑھائے جاتے ہیں۔ اس پر یہ امید رکھنا کہ اس کے مثبت نتائج سامنے نہیں آرہے ایک مذاق سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ میرے کہنے کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ نماز پڑھنا معاذ اللہ غلط ہے بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسے مذہب کی موجودہ شکل سے نکال کر ایک دینی شکل اس لئے دی جائے کہ مذہب میں نماز کی سینکڑوں اقسام ہوتی ہیں جبکہ دین میں ایک ہی **صلوٰۃ** ہے۔ اب سوچئے!

قرآن کریم دین کو کسی بھی طور ایک پیشہ ور کام قرار نہیں دیتا۔ جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے اور یہاں تک کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر کا اپنا پیشہ ہے' وکیل کا اپنا' تاجر کا اپنا ہے تو بڑھئی کا اپنا۔ لیکن مذہب میں مولوی صاحب کا اپنا پیشہ ہوتا ہے اور وہ خود بھی کہتا ہے کہ "ہم مذہب کے ایکسپرٹ ہیں' جیسے ڈاکٹر تو سب ہوتے ہیں لیکن کوئی ناک گلے اور کان کا ایکسپرٹ ہوتا ہے تو کوئی آنکھوں کا" یعنی یہ مولوی صاحب کا پیشہ ہے کہ کام کچھ نہ کرے اور پانچ وقت نماز' بشمول عیدین تراویح اپنا معاوضہ وصول کرے۔ یہی کچھ یہود و نصاریٰ کرتے تھے۔ لہٰذا دین کا راستہ روکنے کے لئے مذہب نے امامت کے پیشے کو جائز قرار دیا جبکہ قرآن کریم اسے پیشے کے طور پر کسی بھی شکل میں معاوضہ وصول کرنے کو انتہائی مکروہ قرار دیتا ہے اور ایسا کرنے والوں کو تاکید کرتا ہے کہ "اللہ سے ڈرو"۔ یہ مذہب کی کرامات ہیں۔ اس کے برعکس دین میں جو شخص آگے ہو گیا وہی امام ہے۔ دین میں مساجد اللہ کی ہیں۔ (سورہ جن) جبکہ مذہب میں مساجد مولوی صاحب یا کسی فرقہ کی ہیں۔

مذہب کی دنیا صرف اور صرف ثواب پر یقین رکھتی ہے۔ یہ دوسرا سوال ہے کہ ننانوے فیصد کو یہ علم نہیں کہ ثواب ہے کیا چیز؟ مختصر جواب یہ دیا جاتا ہے۔ بس یہی کہ آخرت میں ملنے والی کوئی شے ہے جو زیادہ سے زیادہ حوروں کی شکل میں ملے گی۔ اس کے برعکس دین کی دنیا میں ربوبیت عالمینی ہے۔ جس کی یہ دنیا (بود و باش) اعلیٰ ہو گی اس کی اگلی دنیا یقیناً اچھی ہو گی۔ یعنی

وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ ط (13:17)

"وہی نظام باقی رہے گا جو بنی نوع انسان کے لئے منفعت بخش ہو"۔

مذہب' دھرم' ریلیجن سب کے سب ایک ہی بنیاد فراہم کرتے ہیں کہ اگر تم نے کچھ کرنا ہے تو اپنے لئے کرنا ہے اس کے مقابلہ میں دین دوسروں کے لئے کچھ کرنے کا نام ہے۔ مذہب میں اس دنیا کی کوئی حیثیت نہیں جبکہ دین اسی دنیا کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ دین میں ربوبیت عالمینی کا ذکر قرآن کریم کی پہلی آیت میں ملتا ہے اور اس کا اختتام بھی "والناس" پر ہوتا ہے۔

مذہب کی دنیا میں جنت کے پیچھے بھاگنا پڑتا ہے اور

ایسی ایسی تنگناؤں سے گزرنا پڑتا ہے جس میں اکثر اوقات انسانیت کی تذلیل بھی دیکھنے میں آتی ہے لیکن دین میں جنت خود چل کر انسان کے پاس آتی ہے ارشاد خداوندی ہے۔۔۔۔

وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (26:90)۔

"اور اس وقت' جنت کو ان لوگوں کے قریب کر دیا جائیگا جو قوانین خداوندی کی پوری پوری نگہداشت کرتے تھے"۔

مذہب انسان کی آزادی کو یکسر سلب کر دیتا ہے جبکہ دین میں انسان کو مکمل آزادی ہوتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دین انسان کو ایسی آزادی دیتا ہے جسے عام اصطلاح میں مادر پدر آزادی کہتے ہیں۔ وہ آزادی دیتا ہے لیکن اقدار کی پابندی کے ساتھ۔ بالکل جیسے کوئی ڈاکٹر' حکیم یا طبیب ادویات کا نسخہ بھی دیتا ہے اور ساتھ ہی ان چیزوں سے بھی روکنے کی ہدایات دیتا ہے جو مرض کو بڑھانے میں ممد ثابت ہوں۔ اب یہ مریض کی اپنی مرضی ہے کہ وہ ان ہدایات پر عمل کرے یا نہ کرے۔ یہ پابندی کسی آزادی کو سلب کرنے کے زمرے میں نہیں آتی۔ اس کے برعکس آپ مذہب پر نظر ڈالیں قدم قدم پر رکاوٹ' پابندی' تذلیل نفس اور ایک ایسی مشق کو ہر وقت کرتے رہنے کی تلقین جس کا نتیجہ بظاہر مثبت تو کجا ہر قدم پر منفی ہوتا ہے۔

حال ہی میں امریکی صدر کا ایک جنسی سکینڈل منظر عام پر آیا۔ اس سکینڈل کا ڈراپ سین ایک مذہبی تقریب پر ہوا۔ آپ نے پڑھا ہو گا کہ امریکی صدر کی رہائش گاہ (وہائٹ ہاؤس) میں ایک سو پچاس مختلف مذاہب کے مذہبی رہنما (مولوی' پنڈت' پادری' پوپ وغیرہ) اکٹھے ہوئے تاکہ ان کے سامنے امریکی صدر اپنے گناہ کی معافی مانگیں۔ ؎

نہ ملی جہاں میں کہیں اماں جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں

(یاد رہے اس تقریب میں مدعو دو مسلمان مولوی صاحبان نے شمولیت سے معذوری ظاہر کی) امریکی صدر نے ان کے سامنے یہ کہا "کہ میں نے گناہ ضرور کیا ہے لیکن کوئی جرم نہیں کیا۔ آپ مل کر میری بخشش کے لئے دعا کریں۔ یہی بات میں امریکی عوام سے بھی کرتا ہوں کہ وہ سب مل کر میری بخشش کے لئے دعا کریں"۔

چنانچہ اس تقریب میں ایک لمبی دعا کی گئی اور اس طرح اب معاملہ خدا اور امریکی صدر کے درمیان رہ گیا۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ امریکی قانون بشمول بعض یورپی ممالک کے قوانین کے مطابق' اگر دو بالغ برضا و رغبت آپس میں جنسی تعلقات قائم کرتے ہیں تو یہ کوئی جرم نہیں۔ اس لئے امریکی صدر کو ان کے سامنے یہ اعتراف کرنا پڑا کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ البتہ گناہ ضرور کیا ہے۔ بائبل میں موجود یہ عمل ان دس گناہوں میں سے ایک ہے اس لئے اس کی بخشش کروانے کے لئے خدائی فوجدار (پوپ) کی رضا مندی ضروری ہے کہ یہ مذہبی تقاضا ہے۔ اس کے برعکس دین میں یہ ایک جرم ہے اور اس جرم کی سزا مقرر ہے۔ (گناہ جسے کہا جاتا ہے اس کا مفہوم کچھ اور ہے)۔ یہ ہے وہ حد جو دین نے سب کے لئے یکساں مقرر کی ہے۔ چونکہ دین میں ثنویت کا تصور نہیں اس لئے امریکی صدر ہو یا ایک عام انسان قانون خداوندی کے سامنے دونوں یکساں جواب دہ ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو خود حضور صلعم یہ نہ کہتے کہ

اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ (10:15)۔

میں اس عظیم دن کے عذاب سے خوفزدہ ہوں۔

چونکہ مذہب نے اپنی ٹانگ کسی طور امور مملکت میں اڑائی ہوئی ہے اس لئے امریکی صدر کو اعتراف گناہ کرنا پڑا اور جرم تو وہ تھا ہی نہیں۔ اب مجھے یقین ہے

کہ انسانی زندگی کا مقصود و منتہیٰ اور اس کا نصب العین کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے راہنمائی دی ہے۔ یہ راہنمائی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے۔ اور اس سے باہر اور کہیں نہیں قرآن کریم کی راہنمائی چونکہ تمام دنیا کے انسانوں کے لئے اور تمام زمانوں کے لئے ہے۔ اس لئے اس میں (چند مستثنیات کو چھوڑ کر) صرف اصول بیان کئے گئے ہیں، تاکہ ہر دور کے انسان، اپنے اپنے زمانے کی ضرورتوں کے لحاظ سے ان اصولوں کی روشنی میں اپنے مسائل کا حل خود متعین کرتے رہیں۔

ان جزئیات کے متعین کرنے کے طریق کے متعلق بھی قرآن نے راہنمائی دے دی ہے۔ اور وہ یہ کہ امت باہمی مشورہ سے اس اہم فریضہ کو سرانجام دے۔ اس طریق پر سب سے پہلے رسول اللہؐ نے عمل فرمایا (واضح رہے کہ قرآن نے رسول اللہ کو خصوصیت سے اس کی تاکید کی تھی) حضورؐ کے بعد آپؐ کے خلفاء (جانشینوں) نے ایسا ہی کیا۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ رسول اللہؐ نے قرآن کے اصولوں کے مطابق ایک حکومت قائم کی تھی اور یہی حکومت آپؐ کے جانشینوں کی طرف منتقل ہوئی تھی۔ اس تصور کے مطابق یہ حقیقت تمہاری سمجھ میں آجائے گی کہ کوئی حکومت اپنی پیشرو حکومت کی سنت (طرزِ عمل) سے مستغنی ہو نہیں سکتی۔ جب کوئی حکومت مسلسل قائم رہے تو سابقہ حکومتوں

[redacted]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر شبیر احمد (فلوریڈا)

طوطے جیسے لوگ!

ایک صاحب کے پاس ایک طوطی تھی بڑی غیر مودب، بہت بدزبان، دن رات ٹیں ٹیں کرتی رہتی اور ہر آنے جانے والے کو گالیوں سے نوازتی۔ ان صاحب کے ایک دوست کے پاس دو طوطے تھے۔ بڑے باتمیز، بہت نیک، انتہائی عبادت گزار۔ جب دیکھو چپ چاپ سجدے میں گرے رہتے۔ طوطی والے اپنے دوست کے پاس پہنچے اور بولے "یار! میری طوطی کو دو چار دن اپنے طوطوں کے پنجرے میں رکھ لے۔ طوطوں کے ساتھ رہ کر شاید اسے بھی کچھ ادب اور تمیز آجائے"۔ دوست راضی ہو گیا۔ طوطوں کے پنجرے کا دروازہ کھول دیا۔ طوطی کو پنجرے میں چھوڑا اور دروازہ بند کر دیا۔ ایک طوطے نے یکایک سجدے سے سر اٹھایا پھر دوسرے سے یوں مخاطب ہوا۔ "یار! سجدے سے سر اٹھا لے، طوطی آگئی"۔

برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں نے انگریز سے آزادی کے لئے جدوجہد کی۔ تحریکیں، ریاضتیں، مشقتیں، عبادتیں عروج کو پہنچیں تو آزادی نصیب ہوئی۔ وطن عزیز میسر آگیا پھر ان کروڑوں مسلمانوں نے طوطوں کی طرح سجدے سے سر اٹھا لیا۔ اتحاد، تنظیم، یقین محکم کا سبق طوطوں ہی کی طرح بھلا دیا۔ جس طرح طوطوں نے اپنی دعاؤں کا حاصل طوطی کو سمجھا تھا اسی طرح پاک وطن کے باسیوں نے آزادی کو اپنی جدوجہد کا ثمر سمجھ لیا۔ نشان منزل کو منزل سمجھ لیا اور منزل کی طرف جانے والا اگلا قدم آج تک نہ اٹھا سکے۔

اک وطن میں مل گیا کہنے لگے منزل ہے یہی
درحقیقت وہ پڑاؤ تھا، یہی وا نہ ہوا

غور فرمایئے تو طوطوں میں اور ہم میں مشترک باتیں بے شمار ہیں اور ان میں صرف ایک ہی بات ہمیں اچھی لگتی ہے۔ ایک عیسائی پادری کے پاس گیا اور اپنے وحشیانہ جرائم کا اعتراف Confession کرنے کے بعد پوچھنے لگا۔ "فادر! میرے لئے کیا خبر ہے؟" پادری صاحب بولے "تمہارے لئے ایک نہیں دو خبریں ہیں۔ ایک اچھی اور ایک بری۔ اچھی خبر یہ ہے کہ تم جنت میں جاؤ گے"۔ وہ شخص بے تابی سے بولا "فادر! بری خبر کیا ہے پھر؟" فادر نے اطمینان سے کہا "تم وہاں کل جاؤ گے!" (جرائم کی پاداش میں پھانسی پاؤ گے)۔

تو صاحبو! اچھی چیز جو ہمیں لگتی ہے وہ صرف یہ کہ طوطوں کا رنگ بھی ہرا ہوتا ہے اور ہمارا پرچم بھی سبز پرچم ہے..... لیکن

طوطا خوئے غلامی میں بہت پختہ ہوتا ہے۔ پنجرے میں بند رہ کر چوری کھاتا ہوا اطمینان سے اپنی زندگی کے دن پورے کر لیتا ہے۔ ہم ایک نہیں بہت سے پنجروں میں بند رہ کر بھوکے، مفلس اور کمزور رہ کر بغیر چوری کھائے زندگی کے دن پورے کئے چلے جاتے ہیں۔ یہ پنجرے ہمیں بڑے ہی عزیز ہیں۔ انگریز کا پنجرہ سیاسی محکومی کا پنجرہ تھا۔ ہم بہت سی اقسام کے پنجرے بنا کر بند

ہوئے بیٹھے ہیں۔ پنجرہ در پنجرہ' تقلید کا پنجرہ' غربت کا پنجرہ' جہالت کا پنجرہ' بیماری کا پنجرہ' نقالی کا پنجرہ' بدامنی' لاقانونیت' حرص' جھوٹ' فریب اور سب سے سوا خوئے غلامی کی لذت کا پنجرہ۔ ہم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ۔

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی

صاحبو ! طوطا بھی بہت ٹیں ٹیں کرتا ہے۔ ہم بھی بہت ٹیں ٹیں کرتے ہیں۔ طوطا کچھ کام نہیں کرتا ہم بھی کچھ کام نہیں کرتے۔

طوطا پنجرے میں بیٹھا آنکھیں گھماتا دائیں بائیں دیکھے چلا جاتا ہے۔ چوری اور پھل جتنا کھاتا ہے اس سے زیادہ گراتا ہے۔ ہم بھی ٹک ٹک دیکھتے ہیں۔ وسائل تلاش ہی نہیں کرتے۔ نصیب ہو جائیں تو استعمال کم اور ضائع زیادہ کرتے ہیں۔

طوطا بھی جو سنتا ہے اسے بغیر سمجھے رٹنا شروع کر دیتا ہے۔ "میاں مٹھو ! چوری کھاؤ گے؟" "اٹھو درود نبیؐ پر بھیجو"۔ ہم بھی جو سنتے ہیں اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے' جو پڑھتے ہیں اس پر غور نہیں کرتے۔

صاحبو ! ہم نے ایک طوطے کو پورا کلمہ طیبہ پڑھتے بھی سنا ہے اور ہم نے لاتعداد مسلمانوں کو بھی کلمہ طیبہ پڑھتے سنا ہے۔ طوطے نے بھی غور نہیں کیا تھا۔ ہم بھی غور نہیں کرتے۔ ہم جانتے ہی نہیں کہ کتنی شوکت ہے اس مختصر سے کلمے میں۔ آقائے نامدار ﷺ نے ایک بار فرمایا "**قولو لا الہ الا اللّٰہ تفلحو**" (کہو لا الٰہ الا اللہ اور فلاح پا جاؤ) مطلب صاف ظاہر ہے یہ نہیں کہ زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہا اور فلاح پا گئے۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

لا الٰہ الا اللہ یعنی انسان کسی کو آقا نہ سمجھے سوائے اللہ کے۔ نہ کوئی معبود سوائے اس کے۔ نہ کسی کا حکم اس کے حکم سے برتر۔ نہ کوئی اور امید بر لانے والا۔ نہ کوئی سوال کے قابل۔ ہماری طوطا فہمی نے اللہ کا تصور صرف مصلے پر کھڑے ہو کر اللہ کے آگے قیام و سجود کو سمجھ لیا۔ غضب ہے کہ نماز بھی پڑھی تو طوطے کی طرح اور قرآن بھی پڑھا تو طوطے کی طرح !

صاحبو ! طوطے کی طوطا چشمی بڑی مشہور ہے لیکن وہ دوسروں سے آنکھیں چراتا ہے۔ ہم اپنے آپ سے آنکھیں چرانے کے خوگر ہو گئے ہیں۔ ہم اپنی تہذیب سے' اپنی زبان سے' اپنے لباس سے' اپنی پاکستانیت سے' اپنی شناخت سے طوطا چشمی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

صاحبو ! طوطا بلی سے ڈرتا ہے۔ ہم امریکہ سے ڈرتے ہیں۔

آپ نے ایسے طوطے بھی دیکھے ہوں گے جو ہر آخری سنے ہوئے جملے کو رٹتے چلے جاتے ہیں۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ صاحب خانہ بولے "نہ جانے کون کم بخت آگیا!" دروازہ کھلا' مہمان داخل ہوئے' طوطا بولا "نہ جانے کون کم بخت آگیا!" طوطا بغیر سمجھے غیبت کرتا ہے۔ ہم سوچ سمجھ کر غیبت کرتے ہیں۔

طوطے کی چونچ بہت تیز ہوتی ہے۔ ہماری چونچ بھی اپنی نہیں ہوتی۔ طوطا کاٹتا ہے تو انگلی سے لہو چھلک جاتا ہے۔ ہماری چونچ باہر سے منگائی جاتی ہے۔ چیلوں اور گدھوں کی گھسی ہوئی چونچ کو ہم اپنی سمجھتے ہیں۔ اس گھسی ہوئی چونچ سے دشمن کی جلد پر خراش تک نہیں آتی۔

ہم نے یہ منظر بھی بارہا دیکھا ہے کہ طوطے کو پنجرے سے باہر نکالنے کی کوشش کی جائے تو وہ بہت پریشان ہوتا ہے۔ ہمیں بھی اپنے خود ساختہ پنجروں سے کوئی باہر نکالنے لگے تو ہم بھی بہت پریشان ہوتے ہیں۔ یہ بھی ہمارا مشاہدہ ہے کہ طوطے کو پنجرے سے نکال کر کمرے کی فضا میں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ پہلی فرصت

میں پنجرے کا رخ کرتا ہے۔ ہم بھی ایک پنجرے سے کھینچ نکالے جائیں تو پہلی فرصت میں دوبارہ اسی پنجرے میں جا گھستے ہیں۔

طوطا پنجرے میں رہ کر خود کو آزاد سمجھتا رہتا ہے۔ صاحبو ! ہم بھی اپنی تمام تر ذہنی محکومی کے باوجود 14 اگست کو یوم آزادی منا کر خوش ہو لیتے ہیں۔ غلامی سیاسی ہو یا ذہنی' حقیقت انسان کی آنکھوں سے اوجھل رہتی ہے اور وہ خرافات میں گرفتار رہتا ہے۔

آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور
محکوم کا اندیشہ گرفتار خرافات

ذہنی محکومی کی اس خرافات میں ہم' ہم سب' جو طوطوں سے زیادہ طوطے ہیں' چند ایف 16' مل جانے پر ایک دوسرے سے کہتے ہیں "یار ! طوطی آگئی"۔ مارشل لاء لگ گیا' طوطی آگئی۔ الیکشن ہو گئے' طوطی آگئی۔ ہمارے خواب و خیال کی یہ طوطیاں آئے دن آتی رہتی ہیں اور ہم ہر مرحلے پر کردار و عمل سے بے گانہ ہی رہ جاتے ہیں۔

صاحبو ! ابلیس نے اپنے چیلوں کو حکم دیا تھا :

تم اسے بے گانہ رکھو عالم کردار سے
تا بساط زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات

گویا انسان کو طوطا بنا چھوڑو !

(ماخوذ دستک)

For All Publications of Allama Parwez and recorded lectures on Quran
Please contact:
TOLU-E-ISLAM TRUST
25-B, Gulberg 2 Lahore-Pakistan.
Phone: 5753666 – 5764484
Fax: 092-42-5764484
Email: trust@toluislam.com
Internet: http://www.toluislam.com

Current Account No:
4107-35
Main Gulberg Branch
Habib Bank Limited
Lahore

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جشن نزول قرآن کے سلسلے میں
روئیداد سیمینار بعنوان "قرآن اور انسان"

مرتبہ : پروفیسر ڈاکٹر منظور الحق
جامعہ سندھ، حیدر آباد

بزم طلوع اسلام قاسم آباد کی طرف سے 26 فروری 1999ء بروز جمعۃ المبارک نوع انسان کو قرآن کریم بطور ضابطہ حیات عطا ہونے پر ایک سیمینار بعنوان "قرآن اور انسان" منعقد کیا گیا۔ دنیائے نظر و فکر میں قرآنی خطوط کو اپنی آرزوؤں اور امنگوں کا منتہاء و مقصود بنائے ہوئے قرآنی احباب کو پہلے ہی سے مدعو کیا گیا تھا۔ جذب و مستی کے والہانہ عزائم لیے مقامی احباب کے علاوہ احباب قرآنی کے قافلے لاہور، بورے والا، چنیوٹ، کراچی، لاڑکانہ، رانی پور، شکار پور اور میرپور خاص سے ملت کے فکری طور پر بکھرے ہوئے شیرازے کو سیسہ پلائی دیوار کی صورت میں ڈھالنے کے لئے تشریف لائے۔ سند باد ریسٹورنٹ کے وسیع و عریض احاطے میں، شامیانوں کے نیچے سبزہ زار پر احباب قرآنی کی یہ محفل سجی۔ اسٹیج اور شاہراہ کو قرآنی آیات بمعہ مفہوم مزین کیا گیا تھا۔ لوگ آتے رہے اور قرآن پاک کا پیغام بینرز پر پڑھتے رہے۔ رعایتی قیمت پر کتب طلوع اسلام کا سٹال بھی لگایا گیا تھا۔

سیمینار کا آغاز خطبات کی صورت میں 10 بجے صبح متوقع تھا۔ لیکن دفتری فراغت، دور کا سفر، موسمی حالات جیسی مشکلات مانع رہیں۔ آغاز کار کوئی پون گھنٹہ تاخیر سے ہو سکا۔

ڈاکٹر میجر سلیم سومرو صاحب نے اسٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیئے۔ جب اسٹیج پر جناب ایاز حسین انصاری، کامریڈ جام ساقی اور راقم (ڈاکٹر منظور الحق) آچکے تو جذب و مستی کے والہانہ عزائم لئے قریباً" تین صد احباب تشریف لا چکے تھے۔ جن میں جامعہ سندھ کے اساتذہ بھی تھے۔ صحافی بھی، طلباء بھی اور اپنے کاروان ملت کو ایک زندہ قوم کی صلاحیتوں سے بہرہ ور کرنے کا ولولہ قلب و نظر میں سجائے افراد بھی۔ جانے پہچانے بھی تھے اور انجانے بھی۔

محترم نظام الدین نے تلاوت کلام پاک سے سیمینار کا آغاز کیا۔

محترم شاہنواز بھٹو صاحب نے پیغام لطیف سے قلوب کو گرمایا اور پھر خطبہ استقبالیہ کے لئے محترم جناب ایاز حسین انصاری صاحب کو دعوت دی گئی۔ یہ خطبہ بڑی ہی اہمیت کا حامل بنا۔ آپ کی مجاہدانہ للکار قاسم آباد کی سرزمین پر بانگ رحیل بن کر گونجی۔ آپ نے اس تقریب سعید کے اغراض و مقاصد بیان کیے۔ طلوع اسلام کا تعارف کروایا۔ منافقتوں کے گھناؤنے کردار سے نقاب الٹی۔ آج کے مذہب کا غیر قرآنی تصور، سیاسی عناد اور فرقہ وارانہ مناقشت کی فریب کاریوں کا تذکرہ کیا۔ علامہ پرویز بانی تحریک طلوع اسلام کا تعارف کرایا۔ پاکستان کے حصول کے لئے قائداعظم کی سربراہی میں تین محاذوں پر لڑی جانے والی جنگ کا ذکر کیا اور اس بات کو واضح کیا کہ طلوع اسلام کا مقصد (i) دین کو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اجاگر کرنا ہے (ii) مسلمانوں پر واضح کرنا کہ پاکستان کا قیام اسلام کا بنیادی تقاضا ہے (iii) بانی پاکستان کے خلاف مذہبی پیشوائیت کے بے بنیاد پروپیگنڈا کا مؤثر و مدلل جواب دینا ہے اور آخرالامر (iv) قرآنی نظام کے نفاذ کے

[illegible] جاتا ہے۔ محترم ایاز حسین صاحب نے قرآنی فکر کی روشنی میں برملا کہا: مذہب غیر قرآنی لفظ ہے یہ علم کا [illegible] کا حریف ہے جبکہ دین اسلام عملی اور عقلی صلاحیتوں کو جلا دینے کا موجب ہے۔ مذہب عقل کے دیے گل [illegible] الدین عقل کے دیے میں روغن ڈالتا ہے تاکہ زندگی کے راستے جگمگا اٹھیں۔ مذہب تقدیر کے بہانے انسان کو [illegible] کر دیتا ہے اور الدین اسے تقدیر شکن قوت عطا کر کے حرکت و عمل کا شعلہ جوالہ بنا دیتا ہے۔ مذہب مادی [illegible] کو [illegible] قرار دے کر اسے تیاگ دینے کی تلقین کرتا ہے اور الدین مادہ کی تسخیر سے انسان کو حدود فراموش [illegible] تک لے جاتا ہے۔ اس طرح آپ نے الدین کی خصوصیات کا تذکرہ کیا تو مایوسیوں کی تاریکیوں میں قرآنی روشنی [illegible] بکھر گئے کہ

رات گھمبیر سہی، وقت بھی تاریک سہی
ایک ننھا سا دیا، ہم بھی جلا کر دیکھیں

[illegible] آپ قرآن اور انسان کے موضوع پر آئے تو آپ نے برملا کہا:

[illegible] قرآن نے انسان کو اس کے صحیح مقام سے آشنا کیا اور (2) انسان کو خدا کا صحیح تصور دیا ورنہ اس سے پہلے کا انسان [illegible] مقہور تھا۔ پنجہ استبداد میں جکڑا ہوا تھا۔ قرآن کے پیغام کی جہاں تاب روشنی نے نئی منزل کو اس کی نگاہوں کے سامنے واشگاف کر دیا۔

آپ نے زور دے کر انسانی ذات کا تصور بیان کیا "کس موقعہ پر خدا کی کونسی صفت کا ظہور ہوتا ہے، انسان کی طرف سے ایسے مواقع پر اسی قسم کی صفت کا ظہور ہونا چاہئے اس لئے خدا کی صفات پر ایمان لانا ضروری ہے"۔ انسانی ذات کی نشوونما، انسانی حیات کا مقصود ہے۔ نشوونما یافتہ ذات ہی آگے بڑھتی ہے۔

وقت تیزی سے بھاگ رہا تھا۔ اچانک اسٹیج سے آواز ابھری: "حیدر آباد میں یہ سلسلہ کیسے شروع ہوا؟" اس کی روئیداد کیلئے جناب مظہر علی صاحب کو دعوت فکر دی گئی۔

مظہر صاحب نے کہا: "جب سب سے پہلا کنونشن کراچی میں ہوا۔ میں بابا جی کو (ہم علامہ پرویزؒ کو ان کی حیات طبعی میں بابا جی ہی کہتے تھے) ملنے کراچی گیا۔ انہوں نے واپسی پر تین دن کے لئے حیدر آباد قیام کیا۔ ہم چار افراد تھے: میں خود ڈاکٹر نامی مرحوم جناب بلگرامی صاحب اور ٹنڈو محمد خاں کے محمد حسین حسینی صاحب۔ بابا جی سے حیدر آباد میں ملے، دو کھلے اجلاس ہوئے، ایک فلو سوفیکل ہال میں دوسرا سٹی آرٹس کالج میں۔ پھر الوداعی تقریب میں تحریک سے وابستہ احباب ملے۔ جب کوٹری اسٹیشن پر الوداع کہنے گئے تو کہا آپ نوجوان ہیں کام شروع کریں کہا: میں اکیلا ہوں۔ کہنے لگے تو پھر کیا ہوا۔ ساتھی مل جائیں گے۔ اس وقت مخالفت اس قدر تھی کہ میں ہی شمع، میں ہی پروانہ، میں ہی بزم۔ اپنی ہی آگ میں جلا جاتا تھا میں۔ میں نے طلوع اسلام کے پرچے منگوا کر ایک ہوٹل کے قریب ایک اسٹال پر رکھے۔ مہینے کے اختتام پر دیکھا تمام پرچے پڑے ہیں۔ پوچھا کیوں؟ جواب ملا قریب کی مسجد سے آنے والے لوگوں نے کہا ہے کہ انہیں اٹھا لو ورنہ ہم تمہارا اسٹال یہاں نہیں لگانے دیں گے۔ یہ تھا آغاز اور آج یہ ہے قرآن اور انسان کے عنوان پر سیمینار۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

انداز آغاز سے دلوں کو یقین ہونے لگا کہ حق کی آواز دبتی نہیں اسے تو مخالفانہ روش اور تیز کرتی ہے اور اس کے پروانے این و آن سے بے نیاز جذب شوق سے رہ حیات میں آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور آج

صراطِ وقت پہ کو دے رہے ہیں نقشِ قدم
کس اہتمام سے گزرے ہیں تیرے دیوانے

اس طرح یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ

ہاتھوں کو پتوار بنا کر اپنے بحرِ ہستی میں
ساحل ساحل آپہنچے ہیں طوفانوں کے مارے لوگ

جب ڈاکٹر میجر سلیم سومرو کو دعوت اظہار خیال کے لئے پکارا گیا تو انہوں نے بزبان سندھی کہا میرا موضوع "قرآن اور انسان ہے" انہوں نے علم حیاتیات کے حوالوں سے آغاز زیست سے لے کر ذات انسانی تک مختلف نظریات کو اپنی فکر کی بنیاد بنایا اور قرآن کے حوالے سے کہا کہ ذات انسانی ناآشنائے فنا ہے اور جسم انسانی فنا آشنا۔ لیکن شرط ذات کی نشوونما کی ہے اور اسی پر مکافات عمل کا قانون لاگو ہوتا ہے۔ موت، طبعی جسم کا خاتمہ کرتی ہے لیکن انسانی ذات کا نہیں اس وقت متلاشیان حق پکار اٹھے

دل و نگاہ کو تم روشنی عطا کر دو
مرے خیال میں آئے تو ہو کرن کی طرح

بعد ازاں بورے والا سے تشریف لانے والے ڈاکٹر محمد اسلم نوید کو دعوت خطاب کے لئے استدعا کی گئی۔ جواں سال نوید قرآن ہاتھ میں لئے احباب کو قرآن کا پیغام عمل دینے لگے۔ ان کی بلند جولانیاں ایک انقلاب نو کا علم لیے تھیں، کہا میں جہاں انسان کی عظمت کی بات کرونگا وہیں اس کی کج روی کی بھی بات کرونگا۔ جس قرآن نے اسے اس کا مقام دیا تھا اس نے اس قرآن سے گریز کی راہیں نکالیں۔

نشہ پندار کی بدمستیوں کا گریباں چاک کرتے ہوئے اسلم نوید کہہ رہے تھے آج کا مسلمان، قرآن کے پیغام کی عملاً تکذیب کرتا ہے۔ اس کا انکار نہیں کرتا۔ اسے مانتا تو ہے اس پر عمل نہیں کرتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج غنڈہ گردی ہوتی ہے تو یہ چپ رہتا ہے۔ عورتوں کا سربازار برہنہ جلوس نکالا جاتا ہے تو یہ خاموش گذر جاتا ہے۔ گینگ ریپ ہوتا ہے تو یہ خاموش رہتا ہے۔ سربازار قتل ہوتے ہیں یہ خاموشی سے دکانیں بند کر کے چلا جاتا ہے۔ آنکھوں کے سامنے برہنہ لڑکیاں ہیں یہ خاموش رہتا ہے۔ انسانیت ہجرت کر چکی ہے۔ ہے کہیں انسانیت؟

ڈاکٹر اسلم نوید للکار کر کہنے لگے۔ سنا ہے جنگلوں میں جانور رہا کرتے تھے مگر اب تو ہر شہر میں ہزاروں جنگل آباد ہیں۔ ہر جنگل کا دروازہ بھی ہے اور ہر کسی کا اپنا جنگل ہے۔ کسی کا اس جنگل میں منگل ہے اور کسی کا دنگل ہے۔ اسی دنگل کے خوف سے انسانیت اب نایاب ہے۔ شہری جنگل میں جہاں ہم انسان بستے ہیں۔

سچ کہا تھا مرد مومن نے

آئینِ جواں مرداں، حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اسلم نوید بے تاب دلولوں سے پکارا۔ قرآن کا پیغام ہے "جو شخص اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی ضرور مدد کرتا ہے" پھر اس کے مضمرات پر آئے کہ پہلے آپ کو اللہ کی مدد کرنا ہو گی وہ اللہ کہے جا رہا ہے تم یہ کرو۔ تم وہ کرو اور ہم ہیں کہ کہے جا رہے ہیں یااللہ یہ کر دے۔ یااللہ یہ کر دے۔ پھر مثال دی سندھ سے ایک لڑکی نے پکارا اس کی مدد کے لئے افواج آگئیں۔ آج ہزاروں بچیاں پکار رہی ہیں اسی اللہ کو بھی اور اس کو ماننے والے کروڑوں مسلمانوں کو بھی لیکن ہم اسے کہے جا رہے ہیں کہ اے اللہ تو کشمیر آزاد کر دے۔ تو فلسطین آزاد کر دے۔ لیکن قرآن کہہ رہا ہے۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اٹھ کر کھڑے نہیں ہوتے ان کے لئے"

یہ کب ہو گا۔۔۔ جب ہم اس پر عمل پیرا ہونگے۔ "انسان جب بھی قرآن کو اس کا مقام دے گا قرآن اسے وہ مقام دے گا جہاں سے انسان ستاروں کو جھک جھک کے دیکھا کرتا ہے" یہ تھی ڈاکٹر اسلم نوید کی للکار۔

وقت کی طنابیں کھنچ رہی تھیں۔ اجتماع جمعتہ المبارک کا وقت قریب آرہا تھا۔ اتنے میں اسٹیج پر رونق افروز کامریڈ جام ساقی کو دعوت فکر دی گئی۔

آپ سندھی میں گویا ہوئے: ساتھیو! کورٹ میں کسی جج نے ایک یہودی سے پوچھا جب تم نے بندوق کو سیدھا کیا تو اسے کیوں چھوڑ دیا۔ یہودی کہنے لگا کہ اس نے مجھ سے پوچھا تھا تم یہ بندوق کتنے میں بیچو گے؟ مسکراتے ساقی کہنے لگے یہ تو ہے کاروباری سلسلہ۔ یہودیوں نے زندگی کو دنیاوی بنا دیا۔ عیسائیت نے اس کے رد عمل کے طور پر زندگی کو رہبانیت کے حوالے کر دیا۔

قرآن آیا تو اس نے ان دونوں کے درمیان توازن پیدا کر دیا۔ علامہ پرویز نے قرآن پاک کے وہ معانی لیے جو آج کے ترقی یافتہ دور میں ہم لے سکتے ہیں تاکہ اپنا مستقبل بنا سکیں۔ ترقی کر سکیں۔ یہی ہے آج کے انسان پر پرویز کا احسان عظیم۔ شکریہ۔

نماز کا وقت قریب آچکا تھا۔ دعوت فکر راقم الحروف کو دی گئی۔ راقم کا مقالہ الگ سے طلوع اسلام کے لئے پیش کیا جا رہا ہے پھر اجتماع جمعہ کے لئے وقفہ ہو گیا۔ اعلان کیا گیا کہ یہاں کی مقامی مساجد میں آپ نماز کے لئے تشریف لے چلیں کھانے کا انتظام ہے تناول فرمائیں۔ بعد از نماز 3 بجے سے 4 بجے تک علامہ پرویز کا درس قرآن بذریعہ ٹیپ سنایا گیا۔ کتب کے اسٹال پر سے طلوع اسلام کی شائع کردہ بارہ ہزار روپے کی کتابیں فروخت ہوئیں نیز ڈیڑھ ہزار سے زائد پمفلٹ تقسیم اور فروخت ہوئے۔

اس طرح یہ محفل، فخر و ابتہاج کے گرماگرم جذبات و احساسات کو لئے اختتام پذیر ہوئی۔ اس شام سند باد ریسٹورنٹ کے گانے والا پکار کر کہہ رہا تھا۔

اپنے انداز کی بھی ایک غزل پڑھ مومن
آخر اس بزم میں کوئی تو سخن داں ہو گا

جب راقم الحروف کا وہاں سے گذر ہوا تو ایک دوسرا شخص اسی ریسٹورنٹ کے سبزہ زار میں بیٹھا اپنے ملنے والے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا

"جسم ان چیزوں سے پرورش پاتا ہے جو یہ کام میں لاتا ہے۔ اس کی ذات/نفس کی پرورش ان چیزوں سے ہوتی ہے جو قرآن پاک میں مذکور احکام خداوندی کی بجا آوری میں، دوسروں کی پرورش کے لئے دیتا ہے۔ انہیں قرآن کہتا ہے۔ موت سے یہ جسم یہاں رہ جاتا ہے ذات آگے بڑھ جاتی ہے جس حد تک کسی نے اس ذات کی ... اسے بنایا سنوارا ہو گا اسی کے مطابق اسے اگلی زندگی میں درجات ملیں گے۔ ان حقیقتوں پر دل کی گہرائیوں سے یقین رکھنے کو ایمان (Conviction) کہتے ہیں اور اب ایمان رکھنے والے کو مومن کہا جاتا ہے"۔

... میں سوچنے لگا

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

باغبان حضرات کے نام (کھلا خط) (6)

عنوان = ﴿کام-کام اور کام﴾

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'

آج زندگی کا قافلہ بہت تیز رفتار ہے اور ہم بیسویں صدی کو چھوڑ کر اکیسویں صدی میں جانے والے ہیں-باغبان تحریک کا مستقبل آپ سے وابستہ ہے-اسے قومی سطح پر رجسٹرڈ کرانے کے لئے ہر صوبہ سے کم از کم 50-50 کی ممبر شپ ضروری ہے تاکہ ایک سینئر نائب صدر اور دو نائب صدر مقرر کیۓ جا سکیں-خواتین ممبر شپ مری سے دو اور جہلم سے ایک ہے-شاید شعبہ خواتین کی صدارت جہلم والوں کے حصہ میں آجائے-

یکم اپریل کو میری 66ویں سالگرہ ہے-شاید کوئی نیا پروگرام بھی طے پا جائے اگر کچھ باغبان کم تعلیم یافتہ ہیں تو ہم اہل قلم بھی آپ کے ساتھ ہیں-آپ کے جس ہاتھ میں کدال ہے-وہ کرکٹ کے بیٹ والے ہاتھ سے زیادہ پیارا اور مستقبل کی تعمیر میں زیادہ اہمیت والا ہے اور قائد اعظمؒ کے ماٹو "کام-کام اور کام" کا یہی فلسفہ ہے-

پاکستان میں "سبز انقلاب" آپ کے دم قدم سے آئے گا-دانشوران ماحولیات فریاد کناں ہیں-سبزہ-درخت اور جنگلات کم ہو رہے ہیں-زرعی رقبہ جات کی جگہ نئے شہر آباد ہو رہے ہیں-گرین پاتھ ختم ہو رہے ہیں-نرسریوں کے قیام پر حکومت کی توجہ نہ ہونے کے برابر ہے حالانکہ میں اس بارے میں وزیر اعظم جناب محمد نواز شریف صاحب سے اپیل بھی کر چکا ہوں کہ نرسریوں کے قیام کے لئے بجٹ میں خصوصی فنڈز رکھے جائیں تاکہ باغبانوں کو پھل دار پودہ جات کا شکوہ نہ رہے نیز مسلمانوں کو الارض للہ کا قرآنی شعور بھی دیا جائے-

دو انعامی مقابلے سامنے لاتا ہوں پورے پاکستان کے اداروں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اپنے ہاں یہ مقابلہ جات منعقد کرائیں اور انعامات دیں-ان موضوعات پر ہماری کوئی اجارہ داری نہیں-ہم سوچ دے رہے ہیں ہر کوئی عمل کرا سکتا ہے-عنواناتا یہ ہیں-

1- مسلم اخوت کی عالمی زنجیر اور اکیسویں صدی- 2- توریت-انجیل-قرآن اور باغبانی-

مضمون نگار حضرات رابطہ رکھیں-تاکہ نئی معلومات ملتی رہیں-

ملک حنیف وجدانی' صدر باغبان ایسوسی ایشن

معرفت PO موہڑہ سیداں مری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صابر صدیقی)

اقبال اور تصوف

(ایک نقطہ نظر ڈاکٹر ودود صاحب کا ہے اور دوسرا جناب صابر صدیقی صاحب کا۔ یہ ایک علمی بحث ہے جس میں سخت الفاظ کا استعمال ہمارے نزدیک زائد از ضرورت ہے۔ مدیر)

گذشتہ سال ایوان اقبال کی افتتاحی تقریب میں صوبہ سرحد کے ایک معروف صحافی اور دانشور نے اپنے ذاتی علم اور تجربہ کی بنا پر یہ کہا تھا کہ کچھ وطن دشمن افراد یا جماعتیں پاکستان کی تخریب کے در پے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ پاکستان کے انہدام کے لئے ضروری ہے کہ علامہ اقبال اور قائداعظم کو بدنام یا Bilittle کیا جائے کیونکہ یہی دو محکم ستون ہیں جن پر پاکستان اور دو قومی نظریہ کی عمارت کھڑی ہے۔

علامہ غلام احمد پرویز مرحوم نے اپنی وفات سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے اپنے اکلوتے ٹیلی وژن انٹرویو میں نہایت جرات آمیز الفاظ میں کہا تھا کہ اقبال کو فراموش کر کے ہماری قوم نے احسان فراموشی کا ثبوت دیا ہے۔ الفاظ تو کچھ اور تھے لیکن ان کا مفہوم یہی تھا جو میں نے بیان کیا ہے جس میں زور زیادہ تر احسان فراموشی پر تھا۔ ممکن ہے کہ کچھ حلقوں میں علامہ پرویز مرحوم کے ان ریمارکس کو نظر تحسین سے نہ دیکھا گیا ہو لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ اس احسان فراموشی کے تحریری ثبوت ہمارے سامنے آرہے ہیں۔ علامہ پرویز مرحوم نے اپنے ایک درس قرآن کے دوران کہا تھا کہ انہوں نے قرآن فہمی کا طریقہ علامہ اقبال مرحوم سے سیکھا تھا ورنہ اس سے پہلے تو وہ روایتی طور پر پڑھ کر اسے سمجھنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ پرویز صاحب نے کہا تھا کہ جب میں نے قرآن فہمی کا اسلوب علامہ اقبال مرحوم سے سمجھا تو میری یہ حالت ہو گئی کہ

صد سالہ دور چرخ تھا ساغر کا ایک دور
نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی

یہ اقبال مرحوم ہی کا فیض ہے کہ علامہ پرویز مرحوم بین الاقوامی شہرت کے مفکر قرآن بن کر ابھرے۔ اب ان کے چراغ کی روشنی پاکستان کے گھر گھر میں اجالا کر رہی ہے اور ان کے حلقہ تلمذ میں زانوئے ادب تہہ کرنے والے آج بین الاقوامی شہرت کے مصنف بن چکے ہیں جن میں جناب ڈاکٹر عبدالودود صاحب کا نام سرفہرست ہے۔ لیکن یہ شاید کبر سنی کا تقاضا ہے کہ جناب ڈاکٹر صاحب پشاور سے شائع ہونے والے ایک دینی قسم کے ماہنامہ میں "اقبال اور تصوف" کے زیر عنوان لکھتے ہیں۔

"فقیر سید وحید الدین" "روز گار فقیر" کے صفحہ 177 پر لکھتے ہیں "یوسف سلیم چشتی نے علامہ اقبال سے سوال کیا کہ عقلی دلائل سے خدا کی ہستی کو ثابت نہیں کیا جا سکتا تو اور کونسا ذریعہ ہے جس سے خدا کی ہستی کا ثبوت پیش کیا جا سکے۔ علامہ نے جواب دیا کہ خدا کی ہستی کو دلائل سے نہیں بلکہ Inner Experience سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اس کا انحصار عشق پر ہے جسے وجدان کہا جاتا ہے"

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالودود صاحب فرماتے ہیں۔

"غور فرمایئے کہ یہی تصوف کا اصل الاصول ہے۔ اقبال نے اپنے لیکچرز بالخصوص پہلے اور ساتویں لیکچر میں

کہا ہے کہ ادراک حقیقت علم اور عقل کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ قرآن مجید میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ بلکہ قرآن کی تعلیم اس کے بالکل خلاف ہے۔ علامہ اقبال نے Inner Experience کے لئے دل' عشق اور نظر کے الفاظ استعمال کئے ہیں جو کہ علم اور عقل کی ضد ہیں"

اس کے بعد ڈاکٹر عبدالودود صاحب نے بانگ درا سے کچھ اشعار نقل کئے ہیں جن میں عقل اور دل کا موازنہ کیا گیا ہے۔ پھر وہ فرماتے ہیں۔

"اب دیکھئے علامہ اقبال اللہ کی ہستی کو ثابت کرنے کا ذریعہ Inner Experience بتاتے ہیں اور قرآن اس کے برعکس اللہ کی ہستی کو ثابت کرنے کا ذریعہ تسخیر کائنات کو بتاتا ہے۔ اگر علامہ کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے درست ہے تو یہ افسوسناک بات ہے۔ علامہ بیشک ایک اونچے طبقے کے انسان تھے۔ انہوں نے قرآن کی تعلیم اپنے منفرد انداز میں پیش کی---- لیکن ان کے تصوف کی طرف رجوع نے ان کو اس اونچی سطح سے جو کہ قرآن کی تعلیم کو عام کرنے کی وجہ سے انہوں نے حاصل کی تھی نیچے گرا دیا اور وہ چار دیواری کے اندر بیٹھ کر اور آنکھیں بند کر کے اللہ کو دیکھنے کی کوشش کرتے رہے"۔

اس کے بعد ڈاکٹر عبدالودود صاحب نے اپنے مقالہ میں آیات قرآنی 3:190-191, 7:179 اور 57:1-5 کا متن اور ترجمہ درج کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ

"یوں سمجھو کہ جملہ کائنات اس کی صفت خالقیت و ربوبیت کی مظہر ہے اور اس کی ہستی اس کی زندہ شہادت ہے لیکن اس کی ذات انسانی نگاہوں سے پنہاں اور مستور ہے۔ اس لحاظ سے وہ باہم بھی ہے اور بے ہم بھی۔ الٰہیات کی اصطلاح میں Immanent بھی ہے اور Transcendent بھی۔"

اس کے بعد نہایت غیر ضروری اور بے محل طور پر بات کرتے ہوئے فرمایا"اس نے کائنات کی بلندیوں اور پستیوں کو چھ ادوار میں متنوع منازل سے گزار کر پیدا کیا اور اس کا مرکزی کنٹرول اپنے ہاتھ میں رکھا..... ہر بات کا فیصلہ اس کے قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ کوئی اس کے احاطہ سے باہر نہیں جا سکتا.... اب غور فرمایئے کہ مندرجہ بالا آیات پر غور و فکر کرنے سے نتیجہ کیا سامنے آتا ہے۔ قرآن کریم کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ اے عقل کے اندھو آنکھیں بند کر کے اللہ کو دیکھنے والو! **سیرو فی الارض** زمین پر چل پھر کر دیکھو اور پوری کائنات پر غور کرو تمہیں ہر سمت اللہ ہی اللہ نظر آئے گا"۔

یہاں ڈاکٹر صاحب اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرت میں امتیاز کئے بغیر کچھ سائنسی حقائق پیش کرتے ہیں جن کا ذکر انہوں نے اپنی انگریزی کتابوں میں کیا ہے۔ ان میں Bodes Law کی محکمیت کا ذکر ہے اور نہیں جانتے کہ جس قانون کی محکمیت کو وہ اتنی اہمیت دیتے ہیں آج کل کے ماہرین فلکیات اس قانون کی محکمیت کے منکر ہیں اور پھر اس قانون کا تعلق نظام شمسی سے ہے پوری کائنات سے نہیں۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب غیر ضروری طور پر کائنات کی منصوبہ بندی' بادلوں میں بجلی کی موجودگی اور پانی کے انجماد کا ذکر کر کے اپنی کتابوں کا ذکر درمیان میں لے آتے ہیں۔ اس کے بعد اصلی موضوع کی طرف آتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"سوال پوچھنے والے نے پوچھا کہ خدا کی ہستی کو دلائل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا تو پھر کونسا ذریعہ ہے جس سے خدا کی ہستی کا ثبوت پیش کیا جائے۔ جواب دینے والے نے کہا کہ خدا کی ہستی کو دلائل سے نہیں بلکہ Inner Experience سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ یہ سوال جس قدر احمقانہ تھا اس سے زیادہ اس کا جواب احمقانہ تھا۔ دونوں نے قرآن کے 1/8 حصہ میں جس میں کائنات کے اندر **کلمۃ اللہ** موجود ہیں اس کو یکسر بھلا

ے عقل کے اندھو' تصوف والو اللہ کو صحیفہ ت میں ڈھونڈو"۔

انگریزی جاننے والے کو جب کبھی غصہ آتا ہے تو وہ دفعتہ" پنجابی یا اردو میں بات کرتے ہوئے انگریزی ا شروع کر دیتا ہے۔ شاید یہی کیفیت ڈاکٹر صاحب پر ری تھی کہ انگریزی میں فرمایا۔

Explore Creation you will meet the creator. See the reflection of Allah in the mirror created by him. The Universe provides the mirror and the Quran provides the light.

اس طرح انگریزی میں اظہار کے بعد فرماتے ہیں۔

مجھے معلوم نہیں علامہ اقبال کے منظوم کلام کا جس کا حصہ فارسی زبان میں ہے اس کی افادیت کیا ہے۔ لوگ ہیں جو اسے سمجھ کر اس سے مستفید ہوتے ۔ شاید چند پڑھے لکھے دانشور اس کو پوری طرح سمجھ تے ہیں۔ عوام الناس کے لئے تو یہ بجھارتیں ہیں۔ وہ کو سمجھنے کے اہل نہیں جب تک کہ انہیں سمجھانے کوئی پرویز موجود نہ ہو۔ یہ شاعری بھی عجیب قسم کی ون ہے۔ شاعر لوگ عوام الناس کو ہر وقت تفریح طبع مصروف رکھتے ہیں۔ وہ سائنس دان جو ایک چھوٹا سا بجلی کا بلب بنا کر چلا گیا وہ کسی بڑے سے بڑے شاعر کی سبت زیادہ مفید کام کر گیا۔"

ڈاکٹر صاحب کا طرز تحریر دیکھ کر مجھے بے حد رنج ہوا۔ کیونکہ ان کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ طلوع اسلام کے حلقوں میں انہیں بڑی قدر و منزلت سے دیکھا جاتا ہے۔ وہ کسی زمانہ میں پرویز صاحب کے خاص پیروکاروں میں سے تھے۔ آج بھی ان کی تحریریں شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ جس شخصیت کو علامہ پرویز اپنا استاد مانتے تھے اور جس شخص کو علامہ پرویز کے دوسرے استاد مولانا محمد اسلم جیراجپوری بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جس شخص کے تصورات کی بدولت آج ہم ایک آزاد قوم ہیں اور ایک آزاد ملک کے مالک ہیں۔ جس کے متعلق بین الاقوامی شہرت رکھنے والے سائنس دان مرحوم سلیم الزماں صدیقی کا کہنا تھا کہ ان کی نسل اقبال کے شعروں تلے پل کر جوان ہوئی ہے اسے علامہ پرویز کا ایک شاگرد احمق کہہ رہا ہے۔ میں نے شدت جذبات میں طلوع اسلام تحریک سے وابستہ جناب عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ کو صورت حال سے آگاہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ "پس مرگ کسی کو احمق کہنا غیر دانشمندی ہے اور علامہ اقبال جیسی شخصیت کے متعلق ایسے الفاظ تحریر کرنا یا انہیں شائع کرنا انتہا درجہ کا سفلہ پن ہے"۔ ڈاکٹر صاحب کی تحریر سے محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے اقبال کا فارسی کلام نہیں دیکھا کیونکہ وہ شاید فارسی زبان سے نابلد ہیں۔ علامہ اقبال کے فارسی کلام پر گفتگو کرتے ہوئے۔ علامہ پرویز مرحوم کے استاد مولانا محمد اسلم جیراجپوری نے کہا تھا کہ فارسی ادب میں جن چار کتابوں کو بہترین قرار دیا جا سکتا ہے ان میں اقبال کا جاوید نامہ شامل ہے۔ باقی تین شاہنامہ فردوسی' گلستان سعدی اور مثنوی مولانا روم ہیں۔ لیکن ڈاکٹر عبدالودود صاحب کو یہ سب کچھ دفتر بے معنی نظر آتا ہے۔ شاعر اور شاعری کی اہمیت اس شخص کو سمجھائی جا سکتی ہے جس میں شعر کو سمجھنے کی حس موجود ہو اور ڈاکٹر عبدالودود صاحب اس نعمت سے شاید محروم ہیں۔ میں اقبال کے دو شعر ان کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

دو عالم را تواں دیدن بہ مینائے کہ من دارم
کجا چشمے کہ بینند آں تماشائے کہ من دارم
دگر دیوانہ آید کہ در شہر افگند ہوئے
دو صد ہنگامہ بر خیزد زسودائے کہ من دارم

یہ اشعار زبور عجم میں ہیں جو 1927ء میں شائع

ہوئی۔ اور دیوانہ 35-1934ء میں آیا جس نے آکر ہندوستان کی سیاست میں ایک "ہو" کا نعرہ لگایا اور ملک میں ایسا ہنگامہ برپا کیا کہ ہندوستان کی گلی گلی اور کوچے کوچے میں لا الٰہ الا اللہ کی آواز گونجنے لگی اور 1947ء میں ایک نیا ملک اور ایک نئی قوم کی تشکیل کے بعد اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس دیوانے کا نام تھا قائداعظم محمد علی جناحؒ۔ وہ مینا کونسی تھی جس کی مدد سے اقبال دونوں جہانوں کو دیکھتا تھا۔ وہ ہے کتاب اللہ جس کو سمجھنے اور سمجھانے کا انداز پرویز صاحب نے اقبالؒ سے سیکھا۔ میرا دعویٰ ہے کہ جب تک اقبال کو سمجھنے والے دنیا میں موجود رہیں گے تو ہر دور میں کئی فلسفی، کئی علامہ مشرقی اور کئی قائداعظم پیدا ہوتے رہیں گے۔ مولانا گرامی نے ایسے ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ

در دیدہ معنی نظراں حضرت اقبال
پیغمبری کرد و پیغمبر نتواں گفت

یہاں میں ایک بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ میں خود تحریک طلوع اسلام سے وابستہ ہوں اور علامہ غلام احمد پرویز مرحوم کے طرز تحریر اور طرز استدلال کا میں خود والہ و شیدا ہوں۔ یہاں تک کہ میں وہ واحد شخص ہوں جس نے علامہ مرحوم کو دیکھا تک نہیں لیکن پھر بھی ان کی قرآن فہمی پر اعتراضات کے جواب میں، میں نے دو کتابیں تحریر کی ہیں۔ ایک مردان کے ایک صاحب کی کتاب "پرویز اور قرآن" کے جواب میں جو "ابلہ مسجد" کے نام سے دوبار چھپ چکی ہے اور دوسری لاہور کے مولانا عبدالرحمان کیلانی کی کتاب آئینہ پرویزیت کے جواب میں جس کا مسودہ گذشتہ دس سال سے طلوع اسلام ٹرسٹ کے پاس پڑا ہوا اشاعت کا منتظر ہے۔

جناب پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب نے اپنی کتابوں میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ علامہ اقبال مرحوم تصوف کے قائل تھے اور علامہ کے بعض اشعار سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ واقعی تصوف کے قائل تھے (اپنی کتاب "تصوف کی حقیقت" میں علامہ غلام احمد پرویز نے اس موضوع پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ مدیر) لیکن دوسری طرف ان کے خطوط میں یہ بیان بھی ملتا ہے کہ وہ روایتی تصوف کو نہیں مانتے۔ ان کا کہنا ہے کہ "اگر تصوف سے مراد اخلاص فی العمل ہے تو میں تصوف کا قائل ہوں لیکن جب تصوف ایک نظام فلسفہ کی صورت اختیار کرتا ہے تو میری طبیعت اس سے ابا کرتی ہے" (یہ الفاظ میں نے اپنی یادداشت سے لکھے ہیں جن میں صرف مطلب بیان کیا گیا ہے) اس کا مطلب ہے کہ جب وہ Inner Experience کا ذکر کرتے ہیں تو اس کا مطلب روایتی تصوف نہیں ہوتا۔ اگر کوئی عشق یا وجدان کو تصوف کہے تو یہ اس کی کم فہمی کی دلیل ہے۔ وجدان کی تعریف کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ

زمانہ ہیچ نہ داند حقیقت اورا
جنوں قیاست کہ موزوں بہ قامت خرداست

یعنی وجدان عقل ہی کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے اور یہی بات برگسان نے بھی کہی ہے۔ وجدان دراصل ادراک اور احساس کا مجموعہ ہے۔ میں ڈاکٹر صاحب کی توجہ ایک امریکی ہندو ڈاکٹر دیپک چوپڑہ کی کتابوں (1) Ageless Body and Timeless Mind اور (2) Quantum Healing کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ چوپڑہ صاحب معمولی ڈاکٹر نہیں بلکہ طب کی نہایت ہی نازک اور اہم برانچ کے ماہر ہیں جسے Endocronology کہا جاتا ہے اور یہ طب کا ایسا شعبہ ہے کہ شاید ڈاکٹر عبدالودود صاحب جیسے ڈاکٹر جنہوں نے پچاس سال پہلے طب کی ایک ڈگری لی تھی اس شعبہ کو اچھی طرح سمجھ بھی نہیں سکتے۔ چوپڑہ صاحب نے ایک کتاب میں تقلیم قلب کا ایک واقعہ لکھا ہے۔ ایک

خاتون کے سینے میں ایک نوجوان آدمی نمی نامی کا دل ٹرانس پلانٹ کر کے اس کی جان بچا لی گئی۔ جب وہ ہوش میں آئی تو اس نے کھانے کے لئے وہی اشیاء مانگیں جو اس نوجوان کو مرغوب تھیں اور پھر کچھ عرصہ بعد خواب میں خاتون کو اس نوجوان کے متعلق اشارے ہونے لگے اور وہ نمی کے نام سے واقف ہو گئی۔ تحقیق کرنے پر خاتون کو معلوم ہوا کہ اس کے سینے میں جس شخص کا دل ہے اس کا نام نمی تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سوچنے سمجھنے میں دل بھی دماغ کا رفیق ہوتا ہے اور ڈاکٹر صاحب نے جو کہا ہے کہ "اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل۔ لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے" تو یہ کوئی غیر سائنسی بات نہیں تھی۔ انہوں نے کہا کہ

یہ عقل جو مہ و پروین کا کھیلتی ہے شکار
شریک شورش پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

دماغ واقعی مہ و پروین کا شکار کھیلتا ہے۔ لیکن شورش پنہاں کا مقام دل ہے۔

اگر میرے دانت میں درد ہو تو میں ڈاکٹر عبدالودود صاحب کو زبانی تو بتا سکتا ہوں کہ میرے دانت میں درد ہے۔ میں نہ تو خود اس درد کو ثابت کر سکتا ہوں اور نہ ہی ڈاکٹر صاحب ثابت کر سکتے ہیں۔ اگر دانت کے درد کو ثابت نہیں کیا جا سکتا تو پھر خدا کو کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ جب یوسف سلیم چشتی صاحب نے سوال کیا تو علامہ اقبال کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ایک شخص اپنے اندر پیدا ہونے والے Inner Experience سے کسی دوسرے شخص کے لئے خدا تعالیٰ کے وجود کا ثبوت مہیا کر سکتا ہے بلکہ ان کا مطلب تھا کہ عقل اس سوال کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکتی۔ اس معاملہ میں انسان کو اپنی تسلی کے لئے Inner Experience کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ کیونکہ عقل جتنے بھی دلائل خدا تعالیٰ کے وجود کے لئے پیش کر سکتی ہے وہی عقل اتنے ہی دلائل خدا تعالیٰ کے وجود کے انکار کے حق میں لے آتی ہیں۔ عقلی ثبوت Cosmological ہوں Teleological ہوں یا Ontological ایک منکر خدا کے سامنے ان دلائل کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ جب آپ اس کے سامنے دلائل پیش کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ ایسا خدا جس نے کائنات کو ایک ایسا وجود بخشا جو نہایت مفید اور بامقصد ہے تو اگر یہ کائنات کسی بنانے والے نے بنائی ہے تو پھر خدا کو کس نے بنایا ہے۔ منکر خدا کے اس سوال کا جواب آج تک کوئی فلسفی نہ دے سکا اور اگر جواب دیا تو ایک شاعر نے جس نے کہا کہ

ذہن میں جو آگیا لانتہا کیونکر ہوا
جو سمجھ میں آگیا پھر وہ خدا کیونکر ہوا

عقل حواس کی پیداوار ہے اور علم حواس ہی کے ذریعہ سے حاصل کیا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی ذات حواس کی گرفت میں نہیں آسکتی کیونکہ اس کے اپنے کہنے کے مطابق وہ کسی کی مثل ہے ہی نہیں۔ اور اگر وہ کسی کی مثل ہے ہی نہیں تو استنباط نتائج ہو نہیں سکتا اور انسان کا جسم، دماغ اور دل اس قابل ہے ہی نہیں کہ خدا تعالیٰ کو پوری طرح سمجھ سکے۔ اسی مجبوری کو ذہن میں رکھتے ہوئے غالب نے کہا تھا۔

ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے
آبگینہ تندی صہبا سے پگھلا جائے ہے

اس کے باوجود انسان کو ضد ہے کہ وہ حقیقت سے پردہ اٹھانے کی کوشش کرتا رہے۔ انسان کی اسی تمنا کے پیش نظر علامہ اقبال نے کہا تھا۔

نمی گردد کہن افسانہ طور
کہ در ہر دل تمنائے کلیم است

خدا تعالیٰ کو دیکھنے کی تڑپ انسان میں اس قدر ہے کہ وادی ایمن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پکار اٹھے

رب ارنی۔ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو جواب دیا لن ترانی۔ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ یعنی خدا تعالیٰ کی ہستی انسانی حواس سے ماورا ہے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے یہ نہیں کہا کہ کائنات کو دیکھ لو میں ہر طرف ہوں۔ جدھر دیکھو گے میں تمہیں نظر آجاؤنگا۔ اب بات صاف ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کی ذات حواس کے احاطہ سے ماورا ہے تو پھر کوئی طریقہ ہونا چاہئے جس سے اس کے وجود کے متعلق تسلی ہو سکے۔ وہ کہتا ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ تمہاری شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ انسان کبھی اپنے گھر میں ہوتا ہے اور کبھی باہر، کبھی سفر میں ریل گاڑی پر سوار ہوتا ہے اور کبھی ہوائی جہاز پر۔ کبھی ایک شہر میں کبھی دوسرے شہر میں اور پھر یہ کہ خدا ہر انسان کے ساتھ ہے یہی وہ حقائق ہیں جو انسان کو خدا تعالیٰ کے متعلق سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ جب خدا ہر جگہ موجود ہے اور انسان جہاں کہیں بھی جائے وہ اس کے ساتھ ہوتا ہے تو یہ ایک ایسی الجھن ہے جسے ایک حساس انسانی قلب سلجھانے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے۔ کوئی تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ پوری کائنات ہی خدا ہے، زمان و مکان ہی خدا کی مختلف صورتیں ہیں اور کوئی یہ سوچتا ہے کہ وہ خود خدا ہے۔ اس الجھن کو سلجھاتے سلجھاتے کئی انسانوں کا غالب کی زبان میں آبگینہ پگھل جاتا ہے اور وہ سکر کی حالت میں چلے جاتے ہیں اور جو اپنے آپ کو خدا سمجھ کر **انا الحق** کا نعرہ لگاتا ہے وہ سولی پر چڑھ جاتا ہے۔

محترمہ عطیہ فیضی مرحومہ کے بیان کے مطابق قیام یورپ کے دوران علامہ اقبال پر طالب علمی کے زمانہ میں چند لمحوں کے لئے حالت سکر طاری ہو گئی تھی ورنہ وہ پوری زندگی صحو کی حالت میں رہے اور جو کچھ انہوں نے کہا وہ سب بہ قائمی ہوش و حواس کہا ہے۔ عملی طور پر وہ کبھی صوفی نہیں رہے لیکن انہوں نے تصوف کی حقیقت سے انکار بھی نہیں کیا۔ کچھ طبائع ایسی ہوتی ہیں جو تخلیق کائنات کی حقیقت کی گہرائیوں کو سمجھنا چاہتی ہیں۔ لیکن یہ جذبہ عوام کے لئے مضر ثابت ہو سکتا ہے۔ کاروبار دنیا کو چلانے کے لئے کسی سلسلہ تصوف سے منسلک ہونا ضروری نہیں۔ علامہ تو موجودہ دور کے تقاضوں کے پیش نظر قرآن مجید کی نئی تعبیر اس کی بناء پر ایک نئے فقہ کی تدوین کے متمنی تھے اسی لئے انہوں نے ترکوں کی تجدد پسندی سے اظہار بیزاری کرتے ہوئے بھی ان کے جذبہ اجتہاد کو بنظر تحسین دیکھا تھا انہوں نے کہا تھا کہ۔

میں شاخ تاک ہوں میری غزل ہے، میرا ثمر
مرے ثمر سے مئے لالہ فام پیدا کر

اس لئے اب کرنے کا کام یہ ہے کہ اس شاخ تاک سے سارے انگور اتار کر انہیں نچوڑا جائے اور "پھوگ" کو پھینک دیا جائے اور اس کو قومی قانون ساز اسمبلی کی بھٹی پر چڑھا کر اس کے نیچے قرآنی احکام و اصول کی آتش گرما کر مئے لالہ فام کشید کی جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو قوم میں قرون اولیٰ کی مستی پیدا ہو سکتی ہے کہ جس کے پینے سے لوگوں پر میدان جنگ میں "حال" کی کیفیت پیدا ہو جایا کرتی تھی۔

میں ڈاکٹر عبدالودود صاحب سے درخواست کرونگا کہ شاعری کے متعلق اپنے نقطہ نظر میں ذرا سی تبدیلی پیدا کر لیں۔ شاعری کیا ہے۔ علامہ نے فرمایا ہے۔

حق اگر سوزے ندارد حکمت است
شعر می گردد چو سوز از دل گرفت

شاعری افیون نہیں جیسا کہ انہوں نے فرمایا ہے۔ اگر یہ افیون ہوتی تو رسول کریمؐ کے دور میں کوئی شاعر نہ ہوتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ دربار نبوت کے نعت گو شاعر حسان بن ثابتؓ کو حضور کی تائید حاصل تھی۔ اس کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی شعر سے شغف رکھتے تھے۔ اس کے بعد کہاں گنجائش رہ جاتی ہے کہ شاعری کو برا بھلا کہا جائے یا اقبال جیسے شاعر کو ہدف تنقید بنایا جائے۔

طلوع اسلام منکر حدیث ہے !

..... یہ الزام تو آپ نے سنا ہو گا.....

لیکن یہ حقیقت شاید ہی آپ تک نہیں پہنچی ہو گی کہ :-

☆۔ احادیث کی صحیح پوزیشن کیا ہے؟

☆۔ یہ کس طرح مرتب ہوئیں؟

☆۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کی نسبت کس حد تک صحیح ہے؟

☆۔ اقرار و انکارِ حدیث سے کیا مراد ہے؟

اس باب میں طلوع اسلام کا مسلک کیا ہے اور وہ جو اسے منکر حدیث بتاتے ہیں' وہ خود کس طرح منکر حدیث ہیں؟ علم حدیث کے موضوع پر یہ جامع کتاب ہے جسے

مقام حدیث

کے نام سے بڑے سائز میں شائع کیا گیا ہے !

اس قدر پُر از معلومات ہے کہ اس کے مطالعہ سے آپ بیسیوں کتابوں سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ !

قیمت (علاوہ ڈاک' پیکنگ خرچ) اعلیٰ ایڈیشن۔ /Rs. 120
سٹوڈنٹ ایڈیشن۔ / Rs. 60

مینیجر طلوع اسلام ٹرسٹ

25۔ بی گلبرگ 2۔ لاہور

ooo

پروفیسر نجمی صدیقی
(راولپنڈی کینٹ)

فکر قرآن

دل کو ہر شکل سے ہر طور سے سمجھانی ہے
بات پکی ہے اگر کوئی تو قرآنی ہے

فکر قرآں میں فرائض کا خلاصہ یہ ہے
چیز حقدار کی حقدار کو پہنچانی ہے

ناظرہ پڑھ کے سنا دینا نہیں ہے کافی
اس کے احکام پہ چلنے میں مسلمانی ہے

چھوڑ کر دین کی رسی کو مسلماں بکھرا
کوئی اعرابی و عجمی کوئی ایرانی ہے

یہ فقط رسم نہیں ہے کہ نبھاتے جائیں
بندگی عجز ہے تنظیم ہے قربانی ہے

کوئی بھی کام نہیں حکم خدا کے تابع
پھر بھی کہتے ہیں "مسلمان ہیں" حیرانی ہے

حکم قرآن کا کس طرح سے پورا ہو گا
جب مسلمان کئی فرقوں کا زندانی ہے

ہو گا برپا جو کبھی دہر میں قرآں کا نظام
جنت ارضی اسی خاک پہ بن جانی ہے

گردنیں چھوٹیں گی طاغوت سے اک دن نجمی
ضابطہ چل کے رہیگا وہ جو قرآنی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواں فکر

خوانندگانِ کرام ! طلوعِ اسلام کی اس اشاعت سے ہم "جواں فکر" کے عنوان سے ایک مستقل گوشہ قائم کر رہے ہیں جس میں جواں سال' تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل کے نوخیز رشحاتِ قلم شائع ہوا کریں گے۔ (مدیر)

کوئی تو ہو ----------

ایک سچا مسلمان قرآنی تعلیمات کا پابند رہ کر کسی بھی مذہبی فرقے یا سیاسی پارٹی میں شمولیت اختیار کئے بغیر دین کو آگے بڑھاتا ہے لیکن جو لوگ تن آسانیاں ڈھونڈتے ہیں یا قرآنی تعلیمات سے ان کے مفادات متاثر ہوتے ہیں وہ اپنے لئے کوئی آسان اور حسب حال راستہ ڈھونڈ لیتے ہیں نتیجۃً ایک الگ فرقے کی بنیاد پڑ جاتی ہے اور اس فرقے کے لوگ دوسرے مسلمانوں کو کافر قرار دینے لگتے ہیں۔

مجھے معلوم نہیں کہ ان حضرات کا مبلغ علم کیا ہوتا ہے لیکن جب چند دواؤں کا علم رکھنے والا ڈاکٹر اور پیڈ باندھ کر میدان میں اترنے والا ہر شخص کرکٹر نہیں کہلا سکتا تو ایک مخصوص گٹ اپ (Get Up) والے شخص کو عالم دین کیسے کہا جاتا ہے۔ صرف اس لئے کہ وہ دوسروں پر کیچڑ اچھالنے کے فن میں مہارت تامہ رکھتا ہے' یا صرف اس لئے کہ وہ ایک ایک مسلمان کو چن چن کر کافر قرار دینے اور گھر گھر مذہبی منافرت پھیلانے کے گر جانتا ہے۔ یا پھر اس لئے کہ یہ حضرات لوگوں کے جذبات سے کھیلنا جانتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے سرسید کو بے دین کہا' اقبال کو کافر گردانا' محمد علی جناحؒ کو کافر اعظم قرار دیا۔ علامہ غلام احمد پرویز کو منکر حدیث' منکر رسالت' ملحد' بے دین اور نہ جانے کیا کیا کہہ رہے ہیں حالانکہ ان میں سے کوئی عالم دین ایسا نہیں جس نے پرویز کو پڑھا ہو یا سنا ہو۔ بعض کے متعلق تو میں خود بھی جانتی ہوں انہوں نے پرویز صاحب کو دیکھا تک نہ ہو گا۔ میں دور دراز کے علاقہ کی ایک طالبہ ہوں۔ نہ مجھے دستوری موشگافیوں کا علم ہے نہ قانونی تقاضوں سے آگاہ ہوں۔ لیکن یہ احساس ضرور رکھتی ہوں کہ کوئی تو ہو جو ایک دوسرے کو کافر قرار دینے اور مذہبی منافرت پھیلانے کی راہ میں روک بن جائے۔ کوئی تو ہو جو دین کے بنیادی حقوق کا بھی سوچے۔ کوئی تو ہو جو نام نہاد مذہبی راہنماؤں کو اس بات کا پابند بنائے کہ وہ اپنے آپ کو اپنے مذہبی عقائد تک محدود رکھ کر دوسروں کی دل آزادی کا باعث نہ بنیں' کوئی تو ہو جو دین اسلام کو ناقابل تقسیم وحدت قرار دیکر ایک اللہ' ایک رسولؐ' ایک امت کا نعرہ بلند کرے۔ کوئی تو ہو جو سنت رسولؐ کی پیروی کے دعویدار فرقوں سے اتنا پوچھ لے کہ کیا رسول پاکؐ کے دور میں تمہارے فرقے کا وجود تو ایک طرف اس کا تصور تک بھی موجود تھا؟ اور کیا فرقہ بندی' فرقہ سازی' فرقہ واریت کی وبا قرآن و سنت کے منافی نہیں؟۔ کوئی تو ہو جو گنیز بک کا ریکارڈ درست کرنے کے لئے مفتیان کرام سے اعداد و شمار جمع کر لے کہ وہ اب تک کتنے مسلمانوں کو کافر بنانے کا فریضہ سرانجام دے چکے ہیں۔ کوئی تو ہو جو اتنا بتا دے کہ مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑانے کا یہ شیطانی عمل کب تک جاری رہے گا؟

شمع

مینگورہ سوات

خون ناحق

بزم طلوع اسلام (صدر) ڈسٹرکٹ ساؤتھ کراچی کے مخلص کارکن محترم غلام محمد صاحب کی اہلیہ کو 9 ستمبر 1998ء کو ان کے گھر واقع مجاہد کالونی اورنگی ٹاؤن کراچی میں ڈکیتی کی واردات کے دوران ہلاک کر دیا گیا تھا۔ اس المناک واقعہ کو ہوئے چھ ماہ ہونے کو آئے ہیں مگر اب تک مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے سلسلے میں کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

انتظامیہ کی یہ بے حسی اور اپنے فرائض سے چشم پوشی نہایت افسوسناک ہے۔ ہماری انتظامیہ سے پرزور اپیل ہے کہ وہ جلد از جلد مجرموں کا سراغ لگا کر ان کو قرار واقعی سزا دلوائے۔

(ادارہ)

سانحہ ہائے ارتحال

حکیم محمد دین نسیم جو کہ طلوع اسلام کے پرانے ساتھیوں میں سے تھے گذشتہ رمضان شریف میں دل کا دورہ پڑنے سے رحلت فرما گئے۔ مرحوم عربی و فارسی کے ماہر اور ایک قابل طبیب تھے۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں مقام بلند عطا فرمائے۔

شیخ عبدالغنی بھی اللہ کو پیارے ہو گئے مرحوم تحریک طلوع اسلام کے سابقون الاولون میں سے تھے بزم میانوالی کے نمائندہ بھی رہے۔ حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب ہو۔ ادارہ مرحوم کے پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

بزم طلوع اسلام سوات کے سرگرم رکن محترم رشید احمد صاحب کے والد گرامی حافظ عبدالودود 9 مارچ 1999ء کو حرکت قلب بند ہو جانے سے وفات پا گئے ہیں۔ حق تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں مقام بلند عطا فرمائے۔ ہم مرحوم کے پسماندگان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

(ادارہ)

اطلاع

علامہ رحمت اللہ طارق صاحب کی کتب بزم لاہور کے مالی تعاون سے

تفسیر منسوخ القرآن =\270 روپے

تفسیر برھان القرآن =/535 روپے

میں خریدیں۔

بزم طلوع اسلام، 25بی گلبرگ 2، لاہور

فون: 5714546, 5753666

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ادارہ)

حقائق و عبر

(بلا تبصرہ)

پچھلے دنوں امریکی ٹیلی وژن پروگرام "نائٹ لائن" پر پاکستان میں غیرت کے نام پر عورتوں کے قتل کے متعلق ایک غیر معمولی پروگرام نشر ہوا۔ جو بی بی سی کا تیار کردہ تھا جسے امریکی ٹیلی وژن نے اضافی تبصروں کے ساتھ نشر کیا۔ پروگرام میں پاکستانی سوشل ورکروں کے تعاون سے متعدد ایسے واقعات دکھائے گئے جہاں عورتوں کو ان کے شوہروں نے بدکرداری کے شک پر آگ میں جھونک دیا ان میں بیشتر عورتیں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں جو بچ گئیں وہ جسمانی عیب اور مفلسی کی زندگی گزار رہی ہیں۔ پروگرام میں دکھایا گیا کہ اس طرح کے اقدام قتل میں تیزاب منہ پر ڈالنے سے لے کر مٹی کا تیل ڈال کر آگ لگانا شامل ہے۔

دوسرا پہلو وہ چند عدالتی فیصلے تھے جن کے تحت ان عورتوں کے شوہروں کو جنہوں نے اپنی بیویوں کو آگ میں جلایا تھا' بری الذمہ قرار دیا گیا۔ پروگرام میں دو بار امریکی میزبان نے یہ بات واضح کی کہ اس طرح کی زیادتی کا مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور یہ تمام باتیں بنیادی طور پر غیر اسلامی ہیں۔

اس پروگرام کے خلاف سفیر پاکستان ریاض کھوکھر نے امریکی ٹیلی وژن کو ایک خط تحریر کیا جس میں پروگرام میں پیش کئے جانے والے واقعات کی صداقت کو چیلنج کیا گیا۔ ساتھ ہی چند پاکستانی قوانین کا ذکر کیا جس کے تحت اس طرح کے واقعات قابل سزا جرم ہیں۔

(بحوالہ جنگ 8 مارچ 99ء)

اب ایک اور خبر ملاحظہ فرمایئے۔

لاہور ہائیکورٹ کے مسٹر جسٹس ڈاکٹر منیر احمد مغل نے قرار دیا ہے کہ ایک باپ اپنی بیٹی کو اس کے آشنا کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں نہیں دیکھ سکتا اور غیرت میں آکر دونوں کو قتل کر دینا اس کا فطری عمل ہے۔ فاضل عدالت نے یہ ریمارکس بیٹی اور اس کے آشنا کو قتل کرنے کے الزام میں ملوث ایک شخص عیش محمد کی اپیل منظور کرتے ہوئے دیئے۔ فاضل عدالت نے اپیل کنندہ کو بری کر دیا اور اس کی سزا ختم کر دی۔ اپیل کنندہ کے وکیل نے دلائل دیئے کہ غیرت کی بنیاد پر کئے گئے قتل کی سزا موت یا عمر قید نہیں' فاضل عدالت نے وکیل کے دلائل سے اتفاق کیا۔

(بحوالہ نوائے وقت' لاہور 10 مارچ 99ء)

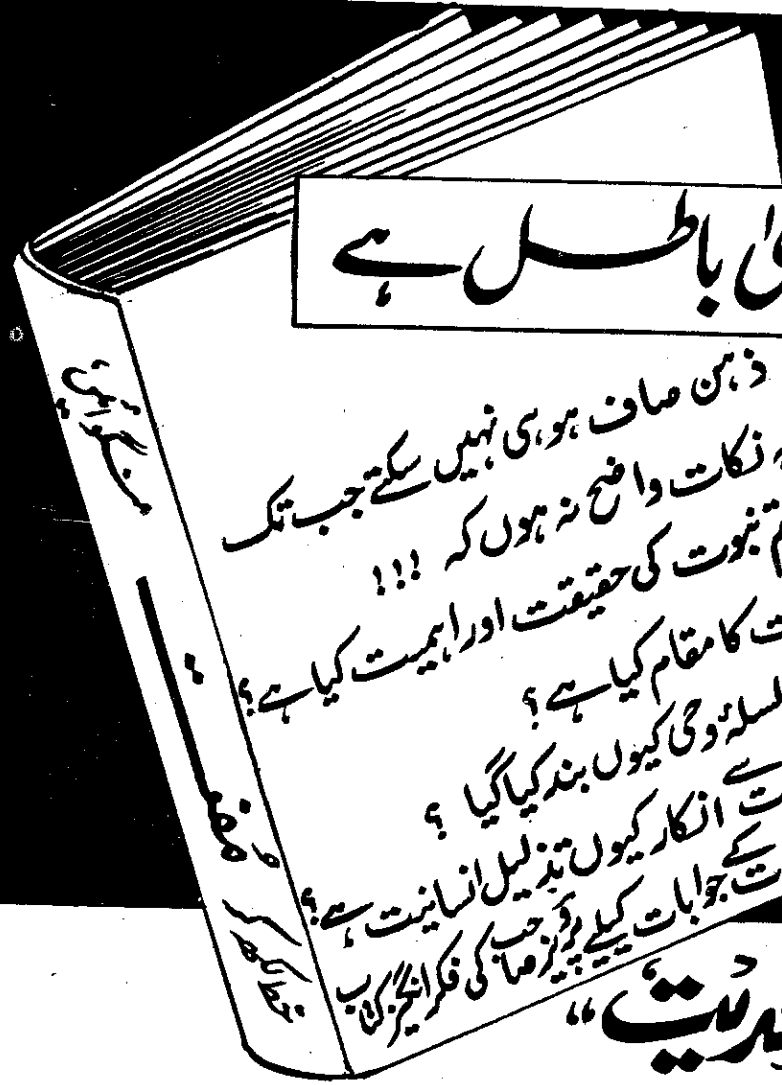

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے

مسئلہ قادیانیت کا
قانونی فیصلہ تو ہو گیا
لیکن ذہن ابھی تک
صاف نہیں ہوئے

"ختمِ نبوت اور تحریکِ احمدیت"

طلوع اسلام ٹرسٹ 25-B گلبرگ II لاہور 54660 فیکس نمبر 042-5866617

Here Allama Iqbal has made a very subtle point by suggesting that a society based on Quranic principles of justice, equity and fair play would have no conflicts to be resolved by force of arms. Thus all of the immense human potential would be diverted towards productivity and development.

نے قلم در مرغدیں گیرد فروغ
از فن تحریر و تشہیر دروغ

In Marghadeen, the pen and the means of print and publication, though perfected as an art form, are not employed to propagate falsehood and cause schisms among the human race. These means instead are meant to promote harmony, peace and universal brotherhood of mankind.

نے بپازاراں ز بے کاراں خروش
نے صداہائے گدایاں درد گوش

In the streets of Marghadeen, there was no din of the unemployed, whose flower of youth and human potential is rendered useless by societies that defy God and his revelations. Nor did one hear the heart rending chants of the beggars, whose very existence is a negation of God's clear injunction in the Quran:

ولقد کرمنا بنی آدم

which enshrines as a basic principle - the dignity of the human race.

Iqbal's philosophy is so closely linked to the Quran that any part of his poetry, particularly that of his latter poetic life, is nothing but an interpretation of the Quran - an interpretation that is way above and far removed from the run of the mill meanings that we generally find in commentaries written on the Quran.

Marghadeen was the dream that Allama Iqbal had for humanity at large and the state that he wished to see created, as the initial launching pad towards an ultimate universal fraternity of the human race.An apt end to this short presentation would be the words of Hakeem-i-Mareekhi, the philosopher of Mars, who says:

کس دریں جا سائل و محروم نیست
عبد و مولا حاکم و محکوم نیست

That there is none amongst us, who is unfulfilled of basic and vital human needs and that there are no divisions amongst us of the master and the slave, and that all are equal and accountable before the Creator.

manipulate human beings. These Godless " statues" were alien to their culture and thought and could not penetrate any of their social or scholastic institutions.

بر طبیعت دیو ماشیں چیرہ نیست
آسمانہا از دخانہا تیرہ نیست

Despite phenomenal command over the process of nature and industrial progress, the personality of the Merghadeenites was not subordinated to ill effects of mechanised life. Therefore, their human relations and interaction conformed strictly to the social order enjoined by the revelations of God. And the refinement of their industrial processes had taken care to prevent their atmosphere from the menace of environmental pollution, which is unbalancing the ecological system and threatening the very existence of humans on earth.

سخت کش دہقاں، چراغش روشن است
از نہاب وہ خدایاں ایمن است

The farmer in Marghadin is industrious and devoted. But unlike the exploited and dehumanised societies of this world, he is prosperous and there is light in his homestead, that signifies happiness and contentment. He is also not at the mercy of the land owner or the money lender, who without moving as much as a little finger, become masters of the agricultural produce that is achieved through tireless sweat and blood of the farmer. In other words, the prevalent exploitation of the farm worker, which is being practised in some of the so called Islamic societies and has active approbation of the state and all its organs, was non existent in the Quranic society that Marghadeen was.

کشت و کارش بے نزاع آبجوست
حاصلش بے شرکت غیرے ازوست

The agricultural scene in Marghadeen was not infested with petty disputes over water and the like; there was plenty for all to share and imbibe. And those who ploughed the land were also the owners without any claims of the land grabbers and their henchmen.

اندراں عالم نہ لشکر، نے قشوں
نے کے روزی خورد از کشت و خوں

In that world far away, where peace, harmony and tranquillity reigned, would there be a standing army, which comprises the best youth of the state but whose talents remain unutilised towards human development and progress. Since there are no standing military forces, no one adopts violence as a profession, which is a travesty of all that humanity stands for.

progress juxtaposed with humility of man was the hall mark of this society based on the precepts of Deen.

فکر شاں بے درد و سوز آفتاب
رازدان کیمیائے آفتاب

In this couplet, the focus is on the tragedy of human existence; the prevalent economic inequality and the utter deprivation and squalour that we see around ourselves in the undeveloped and unjust social orders of the world. In Marghadin, the Allama says, all citizens had equal opportunities to make an honourable living and lead a prosperous life. According to the declared doctrine of Islam, it is the responsibility of the system - the State to provide for the necessities of all humans. The citizens of the state of Marghdin are not burdened with the worries of making their ends meet and human dignity is not trampled on the streets with outstretched hands, begging for a loaf of bread. And this, the Allama explains is because they in accordance with the dictates of Allah, have mastered the mysteries of the Universe, which are being referred to here as کیمیائے آفتاب and blended them with high moral values, thus achieving the cherished state of complete equilibrium in society.

ہر کہ خواہد سیم و زر گیرد ز نور
چوں نمک گیریم ما از آب شور

Their level of advancement in science and mastery of the universe is so complete that symbolically gold and silver i.e. the latent potentialities of cosmic energy, are at their beck and call, just as easily as in the present world of ours, humans are able to extract salt from the waters of the sea.

خدمت آمد مقصد علم و ہنر
کاربا راکس نمی سنجد بزر

In this Quranic state, knowledge and human skills are employed to the benefit of the human race and are not sold in the market place as a commodity to multiply one's wealth. Sharing and giving off themselves unto others and the society is the norm - a norm that ennobles their personalities to transcend from one phase of life to the next, with a luminosity that describes a trail of glory all the way.

کس ز دینار و درم آگاہ نیست
ایں ہتاں را در حرمہا راہ نیست

In the society that Marghadin was, none was obsessed with the materialistic outlook of measuring human potential and effort in terms of worldly currency denominations and hoarding them to exploit and

ALLAMA IQBAL'S VISION OF AN ISLAMIC STATE

By
Brig (R) Taimur Afzal Khan

In 1930 at Allahabad, Allama Iqbal had presented the concept of a separate Muslim state or states in the Indian Sub-Continent. That was the time, when he was also busy compiling the "Javed Nama", a classical work in the Persian language. Those of you, who have been fortunate to go through this epitome of Islamic wisdom and philosophy would recall that Allama has described in this book a chronicle of his envisioned sojourn of the cosmos. While his journey takes him to the heavenly sphere of Mars, he comes upon a utopia that he names as Marghadin مرغدین . Margadin is the embodiment of a state that is edificed on the pillars of Din-i-Islam. In other words, Allama Iqbal has communicated through a description of this imaginary city as to what would be the structure of a state based on the principles and precepts of Islam, as enshrined and enunciated in the Holy Quran. This part of the story is titled " GARDISH DAR SHEHR - I - MARGHADIN"

. He writes:-

مرغدین و آں عمارات بلند
من چہ گویم زاں مقام ارجمند

Marghadin is a city with a highly developed architectural culture, with sky scrapers dotting the sky line; what more shall I say about this wondrous city.Depicting architectural excellence, comfort and grandeur of the state of Marghadeen, the Allama emphatically negates the concept of hermitage and monasticism, which has been falsely attributed to Islamic virtuosity by a certain set of philosophers and instead promotes one of scientific progress and development, which according to the Quran is the cherished path that human race is meant to traverse.

ساکنانش در سخن شیریں چو نوش
خوب روے و نرم خوے و سادہ پوش

The inhabitants, in stark contrast to the conceit and arrogance of the affluent of this world, were honey toned; possessed of both physical and ethical beauty; simply dressed, tolerant in disposition; truthful and honest in human dealings. The message of the Allama is quite explicit, that scientific

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قوم اور امت

انگریز کی عمل داری میں، ہندوستانی قوم یا مسلم قوم کا تصور ہی نہیں تھا- وہاں سرکاری کاغذات میں "قومیت" کے خانے میں ذات یا برادری لکھا جاتا تھا- مثلاً" راجپوت، مغل، افغان، جاٹ، ارائیں وغیرہ- ان برادریوں کو قوم کہا جاتا تھا اور لفظ قومیت سے مراد یہ ہوتی تھی کہ "تم کس قوم سے متعلق ہو"- تشکیل پاکستان کے بعد پاکستانی قوم کا تصور وجود میں آیا اور قومیت یا (Nationality) کے خانہ میں "پاکستانی" لکھا جانے لگا- ان خانوں میں سندھی، بلوچی، پنجابی، سرحدی نہیں لکھا جاتا تھا- قریب دس سال ادھر کا ذکر ہے کہ ایک روسی (کمیونسٹ) فتنہ گر نے (Nationalities In Pakistan) کے نام سے ایک کتاب شائع کر کے، اس مملکت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سازش کا آغاز کیا- یہاں کے کمیونسٹوں نے اس فتنہ کو اچھالا- چنانچہ 1968ء میں کراچی کی ایک (گمنام سی) "عوامی ادبی انجمن" کی طرف سے ایک پمفلٹ شائع ہوا- جس پر، علاوہ دیگر "دانشوران قوم" جوش ملیح آبادی اور فیض احمد فیض کے دستخط ثبت تھے- اس انجمن نے اس فتنہ کو تحریک کی شکل دینی چاہی تھی- طلوع اسلام نے اس سازش کا بھرپور تعاقب کیا جس سے یہ فتنہ بظاہر دب گیا لیکن اندر ہی اندر سلگتا رہا- مسٹر بونجو یا مسٹر مینگل کی طرف سے اس قسم کی آوازیں کہ یہاں ایک نہیں چار قومیتیں ہیں، اسی فتنہ کی صدائے بازگشت تھے-

(علامہ غلام احمد پرویز)

ادارہ طلوع اسلام، 25 بی گلبرگ 2، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قوم اور امت

ہمارا دور بھی عجیب و غریب ہے۔ اس میں لوگ مسلمان ہونے کے مدعی بھی ہوتے ہیں اور اسلام کے (فروعات نہیں بلکہ) مسلمات سے انکار بھی کرتے ہیں۔۔۔ انکار ہی نہیں کرتے بلکہ اس انکار پر اصرار کرتے ہیں' اور اپنے اس انکار کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے بحث بھی کرتے ہیں۔

اسلام کے بنیادی مسلمات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے پوری نوع انسان کی تقسیم دو گروہوں میں کی ہے اور اس تقسیم کا معیار کفر اور ایمان ہے۔ **هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ** (64:2)- "خدا نے تمہیں پیدا کیا۔ سو تم میں سے ایک گروہ کفار کا ہے اور ایک گروہ مومنین کا"۔۔۔ اس معیار تقسیم و تفریق کی رو سے' دنیا میں بسنے والے تمام مسلم ایک گروہ کے افراد ہیں اور غیر مسلم دوسرے گروہ کے افراد۔ اسی کو (دور حاضر کی اصطلاح میں) دو قومی نظریہ کہتے ہیں۔ اس نظریہ کی رو سے' دنیا کے تمام مسلمان ایک قوم کے افراد قرار پاتے ہیں۔ اسے مسلم قومیت کہا جاتا ہے۔

جب ہم اس قرآنی نظریہ تقسیم کو پیش کرتے ہیں تو اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر اس نظریہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ (مثلاً) پاکستان اور افغانستان میں دو الگ الگ قومیں نہیں بستیں۔ یہ ایک ہی قوم ہے اور اس سے آگے یہ کہ پاکستان اور افغانستان کیا' اس نظریہ کی رو سے' تمام مسلم ممالک میں بسنے والے افراد ایک قوم ہیں اور یہ بات خلاف حقیقت ہے۔ مختلف اسلامی ممالک کے مسلمان الگ الگ قومیں ہیں اور چونکہ وہ الگ الگ قومیں ہیں' اس لئے اس سے واضح ہے کہ اسلام میں قومیت کا معیار ایمان کا اشتراک نہیں' وطن کا اشتراک ہے۔ لہٰذا یہ دعویٰ غلط ہے کہ اسلام میں قومیت کا معیار' ایمان کا اشتراک ہے۔

آپ نے اس منطق کے صغریٰ و کبریٰ پر غور فرمایا؟ وہ صغریٰ و کبریٰ یہ ہے کہ چونکہ اس وقت مختلف ممالک میں بسنے والے مسلمان اپنے آپ کو الگ الگ قوم سمجھتے ہیں' اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام کی رو سے معیار قومیت' ایمان کا اشتراک ہے۔

یعنی ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی نص صریح کی رو سے' معیار قومیت کفر اور اسلام کا اختلاف ہے اور ان حضرات کا ارشاد ہے کہ چونکہ موجودہ مسلمانوں کا عمل اس کے خلاف ہے' اس لئے یہ دعویٰ غلط ہے کہ اسلام کی رو سے معیار قومیت' ایمان کا اشتراک ہے! ذرا اس دلیل کو آگے بڑھایئے اور دیکھئے کہ اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے! قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ..... الخ (30:31-32)-

"مسلمانو! تم اسلام لانے کے بعد پھر سے مشرکین میں سے نہ ہو جانا۔ یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین میں فرقے پیدا کر لئے"۔

اور آپ اس کی تردید میں کہتے ہیں کہ نہیں! چونکہ مسلمانوں میں ہر جگہ فرقے موجود ہیں اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام میں فرقہ سازی شرک ہے۔

یا یہ کہ قرآن کریم میں ہے:

مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ۝ -(5:44)

"جو لوگ کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں"۔

اور آپ کہتے ہیں کہ اس وقت کوئی اسلامی مملکت بھی ایسی نہیں جہاں حکومت کتاب اللہ کے مطابق قائم ہو۔ اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ جو لوگ کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔

یہ ہے منطقی نتیجہ اس دلیل کا کہ چونکہ مختلف ممالک میں بسنے والے مسلمان اپنے آپ کو الگ الگ قومیں سمجھتے ہیں اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام میں معیار قومیت' ایمان کا اشتراک ہے۔ یعنی ان حضرات کے نزدیک غلط اور صحیح کا معیار' مسلمانوں کا موجودہ عمل ہے نہ کہ قرآن کریم کا فیصلہ۔ اس دلیل کا بودہ پن کسی دلیل کا محتاج نہیں۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم کی رو سے' نوع انسان کے دو ہی گروہ ہیں۔ کافر اور مومن۔ سوال یہ ہے کہ اس معیار تقسیم کی رو سے ایمان کے اشتراک کی بنا پر جو "گروہ" وجود میں آتا ہے اس کے متعلق قرآن کیا کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:

i- **وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا** (2:143)-

"اور اس طرح ہم نے تمہیں ایک بین الاقوامی امت بنایا تاکہ تم نوع انسان کے اعمال کے نگران رہو اور رسول تمہارے اعمال کا نگران رہے"۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح سے جو **امت** وجود میں آئی تھی۔ وہ کسی خاص خطہ زمین میں بسنے والے مسلمانوں پر مشتمل تھی یا ساری دنیا میں بسنے والے مسلمانوں پر؟ اس آیت میں **جعلنکم** اور **علیکم** میں (کم) کی ضمیر کا اطلاق کسی خاص وطن کے مسلمانوں پر ہوتا تھا یا تمام دنیا میں بسنے والے مسلمانوں پر؟ اس میں **شھداء علی الناس** کا فریضہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا تھا یا کسی خاص خطہ ارض میں بسنے والے مسلمانوں کا! اس میں رسول کی نگرانی کسی خاص ملک کے مسلمانوں تک محدود تھی یا ساری دنیا کے مسلمان اس کے احاطہ میں آجاتے تھے! فرمایئے کہ اس میں وہ کونسا عنصر تھا جو کسی ایک ملک میں بسنے والے مسلمانوں کو دوسرے مسلمانوں سے الگ کرتا تھا۔ اس آیت کی رو سے' خدا نے **ایک امت** متشکل کی تھی۔ **امم** متشکل نہیں کی تھیں۔ اس نے کہیں بھی **امت عربیہ' امت مصریہ' امت ایرانیہ' امت عراقیہ** وغیرہ نہیں کہا تھا۔

ii- اس نے دوسری جگہ کہا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ.... (3:109)- "تم ایک بہترین **امت** ہو جسے نوع انسان کی بہبود کے لئے مبعوث کیا گیا ہے"۔

اس میں بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے۔ **کنتم** (تم) کی ضمیر کسی خاص خطہ زمین کے مسلمانوں کے لئے ہے یا تمام دنیا میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے! یہ جو **الناس** کی منفعت کے لئے **امت** کی تشکیل کی گئی تھی وہ کسی خاص وطن میں محصور تھی یا ساری دنیا میں پھیلی ہوئی تھی!

iii- قرآن کریم کہتا ہے کہ ایمان کے اشتراک کی بنا پر جو **امت** وجود میں آتی ہے' وہ مکان کے اعتبار ہی سے حدود فراموش نہیں ہوتی' زمان کے اعتبار سے بھی قیود ناآشنا ہوتی ہے۔ یعنی یہی نہیں کہ کسی ایک زمانے میں مختلف ممالک میں بسنے والے مومن' **ایک امت** کے افراد ہوتے ہیں بلکہ اس نظریہ پر ایمان رکھنے والے دنیا میں جب بھی اور جہاں بھی ہو گزرے ہیں' وہ سب ایک

ہی امت کے افراد تھے۔ اس نے تاریخ کے مختلف ادوار میں، مختلف ممالک میں پیدا ہونے والے حضرات انبیاء کرامؑ کا نام بنام ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ:
إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ۝ (21:92,23:52)- یہ سب ایک ہی امت تھے، اور ان کے ایک امت ہونے کی بنیاد یہ تھی کہ وہ ایک ہی خدا کی محکومیت اختیار کئے ہوئے تھے۔ واضح رہے کہ چونکہ امت کی تشکیل اس کے نبی کی نسبت سے ہوتی ہے اس لئے قرآن کریم نے جو مختلف انبیاء کرام کا ذکر کر کے انہیں امت واحدہ قرار دیا ہے تو اس سے مفہوم یہی ہے کہ ان کے متبعین ایک ہی امت کے افراد تھے۔ اس سے واضح ہے کہ کسی ایک خطہ زمین کے، ایک ہی زمانہ کے مومن ہی ایک امت نہیں، اس اصول کو ماننے والے، شروع سے آج تک، ایک ہی امت کے افراد ہیں۔ اس نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اس امت کا نام بھی شروع سے آج تک ایک ہی رہا ہے۔ **هو سمكم المسلمين من قبل و فی هذه** (22:78)- اس نے اس سے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا اور اس قرآن میں بھی یہی نام رکھا گیا ہے۔ لہذا حضرت نوحؑ سے لے کر آج تک جن لوگوں نے بھی ایمان کے اشتراک کو معیار قومیت تسلیم کر لیا وہ امت مسلمہ کے افراد قرار پا گئے، بلا لحاظ اس امر کے کہ وہ کس زمانے میں گزرے ہیں اور کونسے ملک میں بستے تھے۔

iv- قرآن کریم نے انہیں امت کہہ کر ہی نہیں پکارا وہ ایک قدم آگے جاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سب **اخوۃ** (بھائی بھائی) ہیں۔ سورہ آل عمران میں ہے کہ: "تم حبل اللہ (کتاب اللہ) کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اس نے تمہارے دلوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا۔ **فاصبحتم بنعمته اخوانا**۔ اور یوں اپنی نعمت سے تمہیں باہمی بھائی بھائی بنا دیا"۔ (3:10)-

ظاہر ہے کہ اس رشتہ اخوت سے کسی ایک وطن کے مسلمان ہی پیوست نہیں۔ اس میں ساری دنیا کے مسلمان منسلک ہیں اور یہ رشتہ، اعتصام بہ حبل اللہ (قرآن سے وابستگی) یا ایمان ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ یہ کہہ کر اس کی وضاحت کر دی کہ:
إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (49:10)- حقیقت یہ ہے کہ (کسی ایک خطہ زمین کے نہیں بلکہ ساری دنیا میں بسنے والے) مومن، ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اخوت کا رشتہ، قومیت کے رشتہ سے کہیں زیادہ عمیق اور مستحکم ہوتا ہے۔ یہاں یہ کہا جاتا ہے کہ مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ جس کا مطلب واضح ہے کہ اخوت کے اس رشتہ کی بنیاد، ایمان کا اشتراک ہے۔ جو لوگ ایمان میں ان سے مشترک نہیں وہ اس زمرہ میں شامل نہیں ہو سکتے۔ اگر وہ اس میں داخل ہونا چاہیں تو وہ صرف ایمان لانے سے ہی ایسا کر سکتے ہیں۔ غور کیجئے۔ عرب کے رہنے والے غیر مسلم (مشرکین قریش) اور مسلمان، وطن، نسل، رنگ، زبان کے اشتراک کے باوجود، ایک امت کے افراد قرار نہیں پا سکتے۔ ان کے متعلق واضح الفاظ میں کہا گیا کہ: فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ (9:11)- "اگر یہ اپنی موجودہ کفر کی روش سے تائب ہو کر تمہارے ساتھ اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے فریضہ میں شریک ہو جائیں تو پھر یہ "دین میں تمہارے بھائی" بن سکتے ہیں۔ یعنی ان کے اور تمہارے درمیان تمام مشترک عناصر (نسل، رنگ، زبان، وطن وغیرہ کا اشتراک) انہیں تمہارا بھائی نہیں بنا سکتا"۔۔۔۔ حالانکہ ان میں سے اکثر و بیشتر خونی رشتہ کی بنا پر بھی بعض مسلمانوں کے بھائی تھے۔ یہ دین کے اشتراک کی بنا پر تمہارے بھائی بن سکتے ہیں۔

اور یہ رشتہ اخوت کسی ایک دور کے مومنین تک ہی محدود نہیں بلکہ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، یہ گزرے

ہوئے زمانے کے مومنین تک کو بھی محیط ہے۔ چنانچہ قرآن نے ہر دور کے مسلمانوں سے کہا ہے کہ ان کی دعا یہ ہونی چاہئے کہ : رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ۔ (59:10)- "اے ہمارے نشوونما دینے والے ! ہمیں بھی مغفرت عطا فرما اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی' جو ایمان کے ساتھ ہم سے پہلے ہو گزرے ہیں"۔

آپ نے دیکھا کہ ایمان کے ساتھ اشتراک کی بنا پر متشکل ہونے والی امت' کس طرح زمان اور مکان کے حدود سے ماوراء ہوتی ہے۔ اور ان میں باہمی رشتہ قومیت ہی کا نہیں ہوتا' اس سے کہیں گہرا اخوت کا رشتہ ہوتا ہے۔

آپ یقیناً حیران ہونگے کہ قرآن کریم کی اس قدر واضح تعلیم کی موجودگی میں' وطنیت کو معیار قومیت قرار دینے والے "مسلمان" اپنے دعویٰ کی تائید میں دلیل کیا لاتے ہیں۔ وہ بھی سن لیجئے۔ وہ کہتے یہ ہیں کہ قرآن نے' ایمان کے اشتراک کی بنا پر امت بنائی ہے' قوم نہیں بنائی۔ ایمان کے اشتراک سے امت وجود میں آتی ہے' اور وطن کے اشتراک سے قوم۔ تحریک پاکستان کے دوران' دو قومی نظریہ کے مخالف یہی دلیل لایا کرتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان' مذہب کی بنا پر ایک امت ہیں۔ لیکن ہندوستان میں بسنے کی بنا پر' وہ اور غیر مسلم' سب ایک (ہندوستانی) قوم کے افراد ہیں۔ اس دلیل کی بنا پر وہ کہا کرتے تھے کہ تمام دنیا کے مسلمان' مذہب کی بنا پر ایک امت ضرور ہیں' لیکن مختلف ملکوں کے باشندے ہونے کی بنا پر ان کی قومیتیں الگ الگ ہیں۔ امت اور قوم کی یہ تفریق درحقیقت مذہب اور دین کی تفریق پر مبنی ہے۔ مذہب میں واقعی یہ ہوتا ہے کہ ایک ملک کے باشندے اپنا الگ الگ مذہب رکھتے ہیں' لیکن قومیت ان سب کی ایک ہی ہوتی ہے۔ لیکن دین میں اس قسم کی ثنویت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ثنویت سیکولرازم کی پیدا کردہ ہے۔ دین میں امت اور قوم میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ہندوستان میں متحدہ قومیت کے حامی مسلمانوں کی فریب خوردگی یا مغالطہ آفرینی کی وجہ یہ تھی کہ مغرب سے آمدہ نیشن (Nation) کے لفظ کا ترجمہ قوم کیا گیا اور اس کے بعد کہا گیا کہ قرآن نے مسلمانوں کو جداگانہ امت قرار دیا ہے' جداگانہ قوم نہیں قرار دیا۔ مذہب کے اعتبار سے' وہ غیر مسلموں سے الگ امت ہیں۔ لیکن سیاسی نقطہ نگاہ سے' وہ اور غیر مسلم' مل کر ایک قوم کے افراد قرار پاتے ہیں۔ یہی وہ سیکولرازم یا ثنویت (Duality) تھی جس کے متعلق اقبالؒ نے کہا تھا کہ : ؎

جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے!

اس میں شبہ نہیں کہ عربوں کے ہاں (جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا تھا) اور زمانہ نزول قرآن میں' قوم کے لفظ نے وہ سیاسی مفہوم اختیار نہیں کیا تھا جو عصر حاضر میں مغربی تصور قومیت کی رو سے' آج کل رائج ہے (وہ تو بلکہ قوم میں عورتوں کو بھی شامل نہیں کیا کرتے تھے) لیکن یہ عجیب بات ہے کہ قرآن کریم نے اس مقصد کے لئے امت کا لفظ ہی نہیں قوم کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ سورہ اعراف میں ہے کہ قرآن کریم میں ہدایت و رحمت ہے۔ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ○ (7:52)- ایمان لانے والی قوم کے لئے (دیگر کئی ایک مقامات پر بھی یہ الفاظ آئے ہیں) اس کے برعکس' سورہ یونس میں ہے کہ خدا کی آیات اور تنبیہات کچھ فائدہ نہیں دے سکتیں۔ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ○ (10:101)- اس قوم کو جو ایمان نہیں لاتی' کہنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے مسلم اور غیر مسلم کے لئے قوم کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ پھر' ان کے لئے دو الگ الگ اصطلاحات ہی استعمال نہیں کیں بلکہ یہ بھی واضح کر دیا

ہے کہ ان میں باہمی تعلقات کس قسم کے ہوں گے۔ غور سے دیکھئے۔ فرمایا:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ.. (58:22)-

"تم کبھی ایسا نہیں دیکھو گے کہ جو قوم خدا اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے' وہ ان لوگوں سے دوستی کے تعلقات قائم کرے جو خدا اور رسول (یعنی اسلامی نظام) کی مخالفت کریں۔ خواہ وہ ان کے ماں باپ' اولاد' بھائی اور دیگر افراد خاندان ہی کیوں نہ ہوں"۔

یہ ہے ان دونوں قوموں میں اختلاف کی نوعیت! آپ محض اشتراک وطن کی بنا پر انہیں ایک قوم قرار دیتے ہیں اور قرآن کریم ایمان کے اختلاف کی وجہ سے' باہمی رشتہ داریوں تک کے تعلقات بھی منقطع کر دیتا ہے۔ ذرا سوچئے کہ اس کے بعد' ان دو متضاد نظریات زندگی کے حامل افراد' ایک قوم کے افراد بن سکتے ہیں؟ واضح رہے کہ قرآن کریم کی رو سے' ہر غیر مسلم "خدا اور رسول" (اسلامی نظام) کا مخالف ہوتا ہے۔ کافر و مومن کا ایک قوم کے افراد قرار پانا تو ایک طرف' قوم مومنین کو دعا یہ سکھائی گئی ہے کہ۔۔۔۔۔ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (2:286)- ہمیں قوم کافرین پر غلبہ و نصرت عطا فرما۔۔۔ فرمایئے! سینہ میں اس قسم کی آرزوئیں رکھنے اور ان کا اس طرح اعلان کرنے والے' غیر مسلموں کے ساتھ مل کر ایک قوم بن سکتے ہیں!

اس سلسلہ میں ایک دلیل اور بھی دی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ اگر ایک مومن سہواً" اور نادانستہ کسی مومن کو قتل کر دے' تو اس کی دیت (خون بہا) دی جائے گی۔ قرآن نے اس خون بہا کی ادائیگی کا طریق بتاتے ہوئے کہا ہے کہ:

فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ....

(4:92)- "اگر مقتول مومن ہو لیکن اس قوم سے متعلق ہو جس کے ساتھ تمہاری عداوت ہے تو پھر دیت یوں دیجائیگی اور اگر اس قوم سے متعلق ہو جس کے ساتھ تمہارے معاہدانہ تعلقات ہیں تو پھر اس طرح....." اس سے استدلال یہ کیا جاتا ہے کہ دیکھئے قرآن اس کا امکان تسلیم کرتا ہے کہ ایک مومن' اس قوم کا فرد بھی ہو سکتا ہے جس کے ساتھ تمہارے دشمنی کے تعلقات ہوں یا میثاقی تعلقات۔ یہ قوم بہرحال غیر مسلموں کی ہو گی۔ اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان' غیر مسلموں کی قوم کے افراد بھی ہو سکتے ہیں۔

یہ دلیل' یونہی سمجھئے' جیسے کوئی شخص ہاتھی گزارنے کے لئے تنکوں کے پل بنائے۔ ایسا کہنے والے یہ قطعاً" بھول جاتے ہیں کہ وہ حالات کیا تھے جن میں قرآن نے ایسا کہا تھا؟ ابتدائے اسلام میں کیفیت یہ تھی کہ مختلف قبائل میں اکا دکا لوگ ایمان لے آتے تھے۔ وہ مسلمان تو ہو جاتے تھے لیکن رہتے تھے اپنے ہی قبیلہ میں۔ ان کے لئے ان حالات میں اس کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں تھا۔ خود مکہ کے مسلمان اسی مکہ میں' اسی قوم قریش میں رہتے تھے' یہی کیفیت مختلف قبائل میں رہنے والے مسلمانوں کی تھی۔ مندرجہ بالا آیت میں دیت کے متعلق جو احکام دیئے گئے ہیں' وہ ایسے ہی مسلمانوں کے متعلق ہیں۔

اس کے بعد جب ایک ایسا مقام میسر آگیا جہاں اسلامی مملکت کے قیام کے امکانات روشن تھے۔ (یعنی مدینہ) تو مکہ کی جماعت ہجرت کر کے وہاں منتقل ہو گئی۔ جب وہاں اپنی آزاد مملکت قائم ہو گئی تو جہاں جہاں بھی مسلمان بستے تھے ان سے کہہ دیا کہ وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ آجائیں۔ ان میں بعض ایسے تھے جنہیں دشمنوں نے اس طرح محصور کر رکھا تھا کہ وہ وہاں سے نکل نہیں سکتے تھے۔ انہیں اس حکم سے مستثنیٰ قرار دے کر کہا گیا کہ وہ انتظار کریں تاآنکہ وہاں سے منتقل

کرانے کا انتظام کیا جا سکے۔ اس دوران میں ان کی ہر ممکن اعانت اور خبرگیری کا خیال رکھا جائے گا۔ یعنی یہ وہ لوگ تھے جو وہاں سے نکلنے کے لئے ہر وقت مضطرب و بے قرار رہتے تھے لیکن بامر مجبوری ایسا کر نہیں پا سکتے تھے۔ (4:98.2:273)- اور یہی وہ تھے جنہیں وہاں سے نکالنے کے لئے آخرالامر مملکت اسلامیہ کو جنگ کا حکم دیا گیا۔ (4:75)-

کچھ لوگ (مسلمان) ایسے بھی تھے جنہیں ہجرت کے امکانات حاصل تھے لیکن وہ وہاں سے آنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں آپ (عصر حاضر کی اصطلاح میں) "متحدہ قومیت" کے حامی کہہ سکتے ہیں۔ یعنی یہ "مذہب" کی حیثیت سے تو مسلمان رہنا چاہتے تھے لیکن اپنی قومی حیثیت وطنی یا نسلی رکھنا چاہتے تھے۔ آپ کو معلوم ہے کہ قرآن کریم نے ان کے متعلق کیا کہا؟ یہ کہا کہ یہ لوگ منافق ہیں۔ چاہتے یہ ہیں کہ جس طرح خود دعویٰ ایمان کے باوجود کافر کے کافر رہنا پسند کرتے ہیں' تمہیں بھی کافر بنا دیں۔ **فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** (4:89)- انہیں کبھی اپنا دوست نہ سمجھو' تاوقتیکہ یہ وہاں کے لوگوں سے قطع تعلق کر کے تمہارے ہاں نہ آجائیں اور اگر یہ یہاں آنے کے بعد' پھر اپنی سابقہ قومیت کی طرف پلٹنا چاہیں تو ان سے بھی اسی طرح جنگ کرو جس طرح دوسرے دشمنوں سے جنگ کی جاتی ہے (4:89)- اس سے ذرا آگے جا کر کہا کہ موت کے وقت ان لوگوں سے ملائکہ پوچھیں گے کہ تم ان لوگوں میں کیوں رہے' تو یہ جواب میں کہیں گے کہ ہم کیا کرتے۔ ہم مجبور تھے۔ جواب دیا جائے گا کہ تم مجبور کیوں تھے! خدا کی زمین وسیع تھی اور تمہیں نقل مکانی کے امکانات حاصل تھے۔ پھر یہ عذر کیسا؟ چنانچہ انہیں جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ (4:97)-

ہم ان حضرات سے' جو یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان کو مذہبی آزادی حاصل ہو تو وہ اشتراک وطن کی بنا پر غیر مسلموں کی قوم کا فرد بن کر رہ سکتا ہے' یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اس پر غور کریں کہ جن مسلمانوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے' وہ مسلمان رہنا چاہتے تھے اور مسلمان رہنے میں انہیں کسی قسم کی دشواری بھی نہیں تھی۔ پھر وہ کونسی بات تھی جس کی بنا پر قرآن انہیں جہنمی قرار دے رہا ہے اور مسلمانوں سے کہہ رہا ہے کہ ان سے دوستانہ تعلقات ہرگز روا نہ رکھیں' اور اگر وہ اپنی روش پر اصرار کریں تو ان سے جنگ بھی کریں۔ بات صرف اتنی تھی کہ وہ (ان حضرات کے تصور کے مطابق) امت اور قوم میں فرق کرتے تھے۔ وہ امت کے اعتبار سے مسلمان رہنا چاہتے تھے لیکن قومیت کے لئے وطن یا نسل کو معیار قرار دیتے تھے۔ یہ وہ ثنویت تھی جس کی بنا پر' قرآن انہیں مسلمان ہی تسلیم نہیں کرتا تھا۔

یہ ہے معیار قومیت کی اہمیت قرآن کی رو سے جسے آج کل محض ایک سیاسی مسئلہ تصور کر کے درخور اہمیت نہیں سمجھا جاتا۔ اب رہا یہ سوال کہ آج کل ساری دنیا کے مسلمانوں نے وطن یا نسل کو معیار قومیت قرار دے رکھا ہے۔ دین' معیار قومیت کہیں نہیں' تو یہ مسلمانوں کا قصور ہے قرآن کا نہیں۔ تحریک پاکستان کا مقصود یہ تھا کہ آج جبکہ دنیا میں کہیں بھی اسلام کو معیار قومیت نہیں قرار دیا جا رہا' ایک مختصر سے خطہ زمین ہی میں سہی' ایک ایسی مملکت قائم کی جائے جس کی بنیاد اسلام کے معیار قومیت پر ہو اور جس میں تمام فیصلے خدا کی کتاب کے مطابق کئے جا سکیں۔ مقصد یہ تھا کہ یہ مملکت' اسلام کے احیاء کے لئے ذرہ اولیں (First Crystal) کا کام دے۔ جب اسلامی معیار قومیت کو یہاں عملاً نافذ کر دیا جائے تو پھر اس تجربہ کو آگے بڑھایا جائے اور رفتہ رفتہ دیگر اسلامی ممالک کو بھی اس راستے پر لایا جائے۔ منتہیٰ اس اسکیم کا یہی تھا کہ پھر سے

ساری دنیا کے مسلمان امت واحدہ (یعنی ایک قوم) کی حیثیت سے زندگی بسر کریں۔

لیکن وائے بدنصیبی کہ ہم نے ایک مملکت تو حاصل کر لی لیکن زندگی یہاں بھی قرآنی قالب میں نہ ڈھل سکی۔ ہمارے لبوں پر الفاظ تو دو قومی نظریہ کے رہے لیکن عملاً معیار قومیت' وطن کا اشتراک ہی رہا۔ پاکستان کی حدود میں بسنے والے مسلم اور غیر مسلم ایمان کے اختلاف و افتراق کی بنا پر' دو قومیں نہیں بلکہ وطن کے اشتراک کی بنا پر ایک ہی قوم تسلیم کئے جاتے ہیں۔ یہ حالت ان کی ہے جو (زبان سے ہی سہی' بہرحال) دو قومی نظریہ کے مدعی ہیں۔ جو لوگ تقسیم سے پہلے' وطن کے اشتراک کی بنا پر قومیت کے قائل تھے۔ یہاں آکر ان کا "کفر" پہلے سے بھی زیادہ متشدد اور اجدر ہو گیا ہے۔ یعنی وہاں وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک قوم قرار دیتے تھے۔ لیکن یہاں خود مسلمانوں کو چار قومیتوں میں تقسیم کر رہے ہیں ! یا للعجب۔ یعنی ہندوستان میں وطن کے اشتراک کی بنا پر' مسلم اور غیر مسلم ایک قوم' اور یہاں اسی اشتراک وطن کے باوجود' خود مسلمانوں کی چار قومیں ! اور اس پر اصرار یہ کہ یہ عین مطابق اسلام ہے۔ مطابق اسلام تو ایک طرف' یہ تو خود ان کے نظریہ قومیت کے بھی مطابق نہیں۔ اس نظریہ کے مطابق ایک ملک کے باشندے ایک قوم قرار پاتے ہیں۔ اپنی اس روش (چار قومیتوں) کی تائید میں دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اسلام مسلمانوں کو امت واحدہ قرار دیتا ہے' واحد قوم نہیں قرار دیتا۔ مسلمان خواہ چار چھوڑ چار سو قوموں میں منقسم ہو جائیں' ان کی امت کی وحدت برقرار رہتی ہے۔ ہم سمجھ نہیں سکتے کہ یہ "امت کی وحدت" ہے کیا بلا جو اختلاف قومیت کے باوجود بدستور قائم رہتی ہے اور اس کا عملی ماحصل کیا ہے؟ قرآن نے کہا تھا کہ اگر ایک مومن کسی دوسرے مومن کو عمداً قتل کر دے تو وہ سیدھا جہنم میں چلا جاتا ہے۔ یہ تھا وحدت امت کا عملی نتیجہ۔ اب حالت یہ ہے کہ ایک ملک کے مسلمان دوسرے ملک کے مسلمانوں کا بلا دریغ قتل عام کرتے ہیں۔ بلکہ ایک ہی ملک کے مسلمان' نسلی' صوبائی' لسانی حتیٰ کہ سیاسی اختلاف کی بنا پر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں' اور اس کے باوجود ان کے امت واحدہ ہونے کے "عقیدہ" پر کوئی حرف نہیں آتا۔

یاد رکھئے ! آج کی اصطلاح میں جو مفہوم لفظ قوم (نیشن) کا ہے' قرآنی اصطلاح میں وہی مفہوم لفظ امت کا ہے جب اسے مسلمانوں کے لئے استعمال کیا جائے۔ وہ دنیا کے مسلمانوں کو ایک امت (یعنی ایک قوم) قرار دیتا ہے اور جغرافیائی یا نسلی اور لسانی اختلافات ان کے ایک قوم ہونے کے راستے میں حائل نہیں ہوتے۔ اس اعتبار سے امت اور قوم میں فرق کرنا' خلاف اسلام ہے۔ خلافت راشدہ کے زمانے میں مسلمان مختلف ممالک میں آباد تھے۔ ان کی نسلیں بھی الگ الگ تھیں اور زبانیں بھی جدا جدا۔ حتیٰ کہ ان کا "کلچر" بھی ایک دوسرے سے الگ تھا۔ لیکن اس کے باوجود' وہ سب ایک قوم (امت) کے افراد تھے۔ ان کی قومیتیں مختلف نہیں تھیں۔ جو حضرات آج کل جغرافیائی یا نسلی' لسانی یا صوبائی اختلافات کی بنا پر مسلمانوں کو الگ الگ قومیں قرار دیتے ہیں' انہیں اس سے کون روک سکتا ہے۔ لیکن ان کی خدمت میں اتنا تو عرض کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے اندر اتنی اخلاقی جرات پیدا کریں کہ اپنے اس تصور یا عمل کے متعلق اعتراف کریں کہ یہ خلاف اسلام ہے۔ کسی نظریہ یا عمل کے خلاف یا مطابق اسلام ہونے کے لئے کوئی خارجی معیار ہونا چاہئے اور مسلمان کے لئے وہ معیار کتاب اللہ کے سوا اور کونسا ہو سکتا ہے۔ کتاب اللہ کی رو سے ساری دنیا کے مسلمان ایک قوم ہیں اور ان کی قوم میں کوئی غیر مسلم شامل نہیں ہو سکتا۔ یہ اسلام کے مسلمات میں سے ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نفاذ شریعت

کوہ میں دشت میں لیکر ترا پیغام پھرے

(بلوچستان کی پہاڑیوں سے قرآن کی آواز)

(بیتے دنوں کی بات ہے کہ حکومت بلوچستان نے کوئی لاء کمیشن مقرر کیا تھا تاکہ وہ صوبے کے مروجہ نظام قانون و عدل میں اصلاح کی سفارشات کرے۔ اس سلسلے میں وہاں کے ممتاز سیاسی راہ نما' محترم عبدالصمد اچکزئی صاحب نے کمیشن کے سیکرٹری قاضی محمد عیسیٰ خان صاحب کو ایک خط لکھا جس کی نقل طلوع اسلام میں اشاعت کے لئے ارسال فرمائی۔ ہمارے دریافت کرنے پر انہوں نے لکھا کہ جہاں تک لاء کمیشن کا تعلق ہے' اس خط کی اس وقت اشاعت کی افادیت نہیں رہی لیکن اس سے "محبان قرآنی' سے تعارف کی حاجت پوری ہو سکتی ہے"۔ یہ مقصد بھی بڑا خوش آئند تھا لہٰذا خط ہم نے طلوع اسلام میں من وعن شائع کیا۔ آج جب کہ ملک بھر میں نفاذ شریعت کے تقاضے پھر سے ابھر رہے ہیں ہم نے ضروری سمجھا کہ ملک کے دور دراز گوشوں سے بلند ہونے والی آواز بھی اس میں شامل کر دی جائے۔)

(مدیر)

محترم قاضی محمد عیسیٰ خان صاحب!

السلام علیکم۔ خیر طلب بعافیت ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر لاء کمیشن کے وہ تمام خطوط نظر سے گزرے جن کے ذریعے کمیشن نے مجھے ان سے ملنے اور مشورہ دینے کی دعوت دی تھی۔ مگر ملاقات کا آخری وقت گذر چکا تھا۔

اطلاعاً" عرض ہے۔

کوئی شخص اس وقت تک مسلمان ہو نہیں سکتا جب تک اپنی تمام زندگی اور معاملات بخوشی اللہ کی کتاب کے حوالے نہ کرے۔ اس لئے ہر مسلمان کی یہ خواہش ہونی چاہئے اور میری بھی ہے کہ اس ملک میں قانون کا سرچشمہ خدا کی کتاب ہو اور تمام قوانین شرع محمدیؐ کے مطابق ہوں۔

مگر یہ کام جس قدر خوش آئند' ضروری اور مفید ہے افسوس ہے کہ ہم نام کے مسلمانوں خصوصاً ان مسلمانوں کے ہاتھوں جو خود کو علماء دین کہلاتے ہیں' اس قدر آسان نہیں رہا ہے جتنا کہ سمجھا جا رہا ہے۔ کیونکہ اس وقت تمام تر ملا صاحبان نہیں تو بیشتر کے نزدیک "شریعت" سے مقصود اور مراد صرف فصل مقدمات کے ایک حصہ کے لئے مسلمانوں کے فیصلوں کو بطور قانون و نظیر تسلیم کرنا اور فصل مقدمات کے اس حصہ پر موجودہ انگریزی طرز کی عدالتوں کی بجائے عربی زبان کی شدھ بدھ رکھنے والے ملاؤں کو قاضی مقرر کرنا اور ان سے مذکورہ پرانے نظائر کے مطابق فیصلے کرانا ہے کم و بیش وہی طرز جو آج کل سابق ریاست قلات میں مروج ہے۔

میں نہ تو مذکورہ بالا نظام کی ترویج کو "دین" یا شرع محمدیؐ سمجھا ہوں اور نہ سرے سے اس نظام کو قرآن کی رو سے عین اسلام تو چھوڑ اسلامی خیال کرتا ہوں۔ کیونکہ

قرآن کریم کتاب اللہ کے ایک حصہ کو ماننا یعنی اس پر عمل کرنا اور ایک حصہ کو نہ ماننا یعنی اس پر عمل نہ کرنے کو نہ کافی سمجھتا ہے اور نہ اچھا۔ جس پر اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (2:85)- کا قرآنی اعتراض گواہ ہے۔

دین اسلام ایک ایسی اکائی ہے جسے رد اور قبول کرنے کے لئے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس نظام کا ہر حصہ دوسرے سے اس طرح جڑا ہوا اور وابستہ ہے کہ اسے جدا کیا ہی نہیں جا سکتا۔ مثلاً اسلام خداوند عالم کے نظام ربوبیت کا نقیب ہونے کے باعث مملکت کے خزانہ پر ملت کے ہر فرد کا حق خصوصاً رزق۔ اسباب معیشت' اور گذارہ کا حق تسلیم کرتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض جرائم کے سزا و جزا کا اس سے تعلق تسلیم کرتا ہے۔ یہاں تک کہ مروجہ حنفی مذہب ایک مسلمان کے ذمے واجب الادا جرمانہ و عوضانہ کو مملکت کے خزانہ سے ادا کیا جانا فرض قرار دیتا ہے جس کی سفارش کا نہ آپ کو حق ہے اور نہ آپ کی کمیشن کے ارکان اس کا تصور کر سکتے ہیں۔

مروجہ فقہی مذاہب میں نکاح و طلاق کے جو نظائر موجود ہیں ان کی ترویج کا تصور بھی نہ آج کے بلوچستان کا کوئی فرد کر سکتا ہے نہ یہاں کی حکومت اسے لوگوں پر رائج کرنے کی استطاعت رکھتی ہے۔ مثلاً یہ کہ بچے کو دودھ پلانا اور اسے پالنا پوسنا ماں کی بجائے باپ کی ذمہ داری اور فرض ہے یا یہ کہ ہر شخص پر اس کی بیوی کا حق ہے کہ اسے رہنے کے لئے علیحدہ پردہ دار مکان مہیا کرے اور اس کے گذارہ و خرچ کے علاوہ اس کی خدمت خرید و فروخت' لانے پکانے' سینے پرونے وغیرہ کا کام یا شوہر خود کرے یا اس کے لئے اسے خدمت گار مہیا کرے۔ اگر ان حقوق میں کوتاہی ہو تو اس کے لئے عورت قاضی کی عدالت میں ان کے استقرار کا دعویٰ کر سکتی ہے اور قاضی اس کی داد رسی حتیٰ کہ طلاق تک دلانے کا پابند ہے۔ وغیرہ۔

ان تمام کے علاوہ اصل گرہ یہ آپڑی ہے کہ:

"یہ امت روایات میں کھو گئی ہے"

اس لئے جس چیز کو خدا کی کتاب شرک یعنی سب سے بڑا اور ناقابل معافی جرم قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (30:31)- (ترجمہ) "مشرک نہ بنو اور مشرک وہ لوگ ہیں جو اپنے دین کو علیحدہ علیحدہ کر دیتے ہیں اور فرقوں میں تقسیم ہو کر ہر فرقہ صرف اسی کو پسند کرتا ہے جو ان کے پاس ہوتا ہے"۔ اسی چیز کو یہ لوگ اپنا دین بلکہ خدا کا دین سمجھتے ہیں۔ سنی صرف اپنے فرقہ کے فقہ اور روایات کو دین سمجھتے ہیں۔ شیعہ اپنی کو اور اہل حدیث حضرات اپنے ورثہ کو دین خداوندی قرار دیتے ہیں۔ ان بڑے فرقوں کے علاوہ دوسرے بھی فرقے ہیں اور پھر ہر ایک میں بے شمار شکلی یا ضمنی فرقے ہیں جو صرف اپنے ہی مذہب اور اپنے ہی امام اور مقتداء کی پسندیدہ روایات کو دین خدا سمجھتے ہیں چاہے وہ صریحاً کتاب اللہ کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں۔

یہی سبب ہے کہ جب پاکستان کے پہلے مارشل لاء کے بعد فسادات پنجاب کی تحقیقات کے وقت جسٹس منیر کے کمیشن نے ملک کے بڑے بڑے ملا صاحبان سے مسلمان کی تعریف پوچھی تو زیر بحث تحریک میں ایک دوسرے کے ساتھیوں میں سے کوئی سے دو حضرات مسلمان کی تعریف کرنے پر متفق نہ ہو سکے اور حال ہی میں مولانا مودودی صاحب کو اعلان کرنا پڑا کہ قرآن و سنت کی بنیاد پر کوئی متفق علیہ آئین و قانون بن ہی نہیں سکتا ہے اور اسی وجہ سے حال ہی میں تعلیم جدید کے سلسلے میں سنی اور شیعہ فرقے کے بچوں کے لئے علیحدہ علیحدہ مذہبی نصاب کا اصول تسلیم کرنا پڑا جو **کل حزب بما لدیھم فرحون** کی منہ بولتی تصویر ہے۔

سطور بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت صوبائی حکومت کے بس میں سرے سے یہ کام ہے ہی نہیں کہ وہ اسلامی نظام یا شریعت کاملہ تو کجا اس کا نیو ہی رکھ سکے بشرطیکہ

دین' شریعت اور اسلامی نظام کا مفہوم یہ نہ ہو کہ فصل مقدمات کے لئے چند ایک ایسی عدالتیں قائم کئے جائیں جن کے ہاتھ میں سابقہ ریاست قلات کی طرح مقدمات کے ایک شق (دیوانی) کے فیصلوں کا اختیار ہو اور ان کے سربراہ چند نیم خواندہ بلکہ اقبالؒ کے ملائے جاہل قسم کے مولویوں کو لگایا جائے تاکہ ایک طرف تو ان مولویوں کے چند جماعتیوں کے لئے روزگار مہیا کیا جائے جن کے ووٹوں سے موجودہ حکومت چل رہی ہے اور دوسری جانب ملک کے عوام خصوصاً پہاڑی علاقوں کے پشتونوں کو مزید اندھیروں میں دھکیلنے کیلئے ان کے ہاتھ میں یہ حربہ دیا جائے کہ وہ دیکھو مولانا مفتی محمود اور ان کے حواری اپنے انتخابی وعدوں کے مطابق شریعت محمدیؐ اور بہشت کی کنجی حاصل کر کے لے آئے۔

کہا جاتا ہے کہ بلوچستان کے عوام نے ہر جگہ کمیشن سے شریعت محمدیؐ کا مطالبہ کیا ہے لیکن افسوس کہ ان مطالبہ کرنے والوں کی بھیڑ سے کسی نے یہ نہیں پوچھا ہے کہ کس قسم کی شریعت اور اسے چلانے کے لئے کس قسم کے "قاضی؟" کیا قلات کی طرح کا نظام؟ یا حقیقی اسلام؟ اور یہ کہ کیا آپ لوگ اپنے علاقہ بھر میں کسی بھی مولوی کو قاضی کے منصب کا اہل سمجھتے ہیں؟ یا یہ کہ آپ افغانستان کی طرز کا شرعی نظام قبول کریں گے؟ جہاں تک میں معلوم کر سکا ہوں عام لوگ ان تمام برائے نام "شرعی نظاموں" سے بیزار ہیں کیونکہ انہوں نے دیکھا ہے کہ ان کے نتیجہ میں دین کی کوئی بہتری یا برتری حاصل نہ ہوئی۔ بعض لوگوں نے مجھے کہا ہے' قاضی مصر سے درآمد کئے جائیں اور بعض لوگ سعودی عرب کے نظام خصوصاً وہاں کے امن عامہ سے متاثر ہیں جسے وہ پٹرول کی پیداوار اور بہتر معاشی حالات کی بجائے سخت شرعی سزاؤں کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔

میرے خیال میں اصل شرعی نظام تو تب آئے گا کہ مرکزی حکومت اور آئین ساز ادارہ بعد تحقیق اور غور صرف قرآن مجید کے بیان کردہ متفق علیہ اصولوں کی روشنی میں آئین خصوصاً رزق کے وسائل کو اسلامی مساوات کی بنا پر تقسیم کرنے کے ضوابط مرتب کرے اور ان کی روشنی میں امت کو "زکات" یعنی ترقی دینے کے قوانین مرتب کرے جیسا کہ قرآن مجید کہتا ہے کہ "اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ" (22:41)- نہ کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں سے مال زکوٰۃ وصول کر کے ملا صاحبان میں تقسیم کرنے کے قواعد کو ترتیب دے۔

البتہ اس وقت تک اگر صوبائی حکومت انگریزی نظام عدالت کی بجائے کوئی اور عدالتی نظام نافذ کرنا چاہتی ہے جو اسلامی تو بہرحال نہیں ہو گا تو اس کے لئے کم سے کم اتنا ضرور ہونا چاہئے کہ اس کے لئے واضح' غیر ژولیدہ' تحریر شدہ ضابطہ قوانین مرتب کیا جائے چاہے اس کی بنیاد سابقہ مسلمان قانیوں کے فیصلوں کے نظام فقہ پر ہو یا رسوم مروجہ میں سے اچھی اچھی باتوں پر یا دونوں کے معجون مرکب پر' مگر اپیل یا مدافعہ کا حق بہرحال ملک کے منجھے ہوئے اور قوانین اسلامی و عالمی سے واقف تعلیم یافتہ ججوں کو دینا چاہئے جن کا بہترین نمونہ ملک کے موجودہ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ ہیں۔

اس قسم کے نظام کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ نچلی سطح پر بھی نیم خواندہ اور جاہل قسم کے قاضی مقرر نہیں کئے جا سکیں گے۔ بلکہ کم از کم اتنے خواندہ قاضی' جج یا مجسٹریٹ ہوں گے جو لکھے ہوئے قوانین کو سمجھ سکیں اور جن کے فیصلے ہائی کورٹ کے نقد و تعدیل کی تاب نہ لا سکیں۔

اگر کمیشن کے اراکین مندرجہ بالا خیالات کے متعلق مزید کوئی جرح و تعدیل کرنا چاہیں تو میں شخصاً حاضر ہونے کے لئے تیار ہوں۔ والسلام

آپ کا

عبدالصمد اچکزئی (ایم۔ پی۔ اے)

شارع جمال الدین افغانی۔ کوئٹہ۔

(مارچ 1973ء)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

طلوع اسلام کا مقصد و مسلک

(1) تنہا عقل انسانی زندگی کے مسائل کا حل دریافت نہیں کر سکتی۔ اسے اپنی رہنمائی کے لئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی ضرورت ہے۔

(2) خدا کی طرف سے عطا شدہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کے اندر محفوظ ہے جو تمام نوع انسانی کیلئے ابد تک ضابطہ ہدایت ہے۔ لہٰذا اب نہ خدا کی طرف سے کسی کو وحی مل سکتی ہے نہ کوئی نبی یا رسول آسکتا ہے۔ قرآن کریم خدا کی آخری کتاب اور حضور رسالتمآبؐ خدا کے آخری نبی اور رسول ہیں۔

(3) قرآن کریم کا ہر دعویٰ علم پر مبنی ہے اور اس کے حقائق زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہیں۔ قرآنی حقائق سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ جس حد تک انسانی علم ترقی کر چکا ہے وہ انسان کے سامنے ہو اور چونکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ خدا نے تمام کائنات انسان کے لئے تابع تسخیر کر رکھی ہے اس لئے خدائی پروگرام کو پورا کرنے کے لئے کائناتی قوتوں کی تسخیر ضروری ہے۔

(4) نبی اکرمؐ کی سیرت مقدسہ، شرف و عظمت انسانیت کی معراج کبریٰ ہے۔ یہی وہ پاکیزہ سیرت ہے جو تمام نوع انسانی کے لئے اسوہ حسنہ (بہترین نمونہ) ہے۔ حضورؐ کی سیرت طیبہ کا جو حصہ قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے اس کے قطعی یا یقینی ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ باقی رہا وہ حصہ جو قرآن سے باہر ہے۔ سوا اس میں اگر کوئی بات ایسی ہے جو قرآن کے خلاف جاتی ہے یا جس سے حضورؐ پر (معاذ اللہ) کسی قسم کا طعن پایا جاتا ہے تو ہمارے نزدیک وہ بات غلط ہے۔ اسے حضورؐ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے۔ یہی اصول صحابہ کبارؓ کی سیرت مقدسہ کے سلسلہ میں بھی سامنے رکھا جانا چاہئے۔

(5) دین کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانوں کو دوسرے انسانوں کی محکومی سے چھڑا کر ان سے خالص قوانین خداوندی کی اطاعت کرائے۔ قوانین کی یہ اطاعت ایک نظام مملکت کی رو سے ہو سکتی ہے اس کے بغیر دین (جو نظام زندگی کا نام ہے) متمکن نہیں ہو سکتا۔

(6) رسولؐ اللہ نے سب سے پہلے دین کا نظام قائم فرمایا۔ اس نظام میں قرآن کریم کے احکام و قوانین کی اطاعت کرائی جاتی تھی اور جن امور میں قرآن کریم میں صرف اصول دیئے گئے ہیں ان کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے امور مملکت امت کے مشورہ سے سرانجام پاتے تھے۔

(7) رسولؐ اللہ کے بعد دین کا وہی نظام حضورؐ کے خلفاءؓ راشدین نے جاری رکھا۔ اس میں امور مملکت سرانجام پانے کا وہی طریقہ تھا جو حضورؐ کے زمانہ میں رائج تھا یعنی قرآن کریم کے احکام و قوانین کی اطاعت اور جن امور میں قرآن کریم نے صرف اصول دیئے ہیں ان کی چار دیواری کے اندر امت کے مشورہ سے

متعلقہ امور کے فیصلے۔ اس طریق کو خلافت علیٰ منہاج رسالت کہا جاتا ہے۔

بدقسمتی سے خلافت علیٰ منہاج رسالت کا یہ سلسلہ کچھ عرصہ کے بعد منقطع ہو گیا اور دین کا نظام باقی نہ رہا۔ اس سے امت میں انتشار پیدا ہو گیا۔ خلافت کے زمانے میں تمام امور' دین کے نظام کے تابع رہتے تھے۔ لیکن اب مذہب اور سیاست میں ثنویت پیدا ہو گئی۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری ہے۔

ہمارے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ پھر سے خلافت علیٰ منہاج رسالت کا سلسلہ قائم کیا جائے جو امت کو احکام و قوانین خداوندی کے مطابق چلائے۔ اس نظام کی بلند ترین اتھارٹی کو مرکز ملت کہا جائے گا اور اس کی طرف سے جاری شدہ احکام کی اطاعت خدا اور رسولؐ کی اطاعت کے قائمقام قرار پائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس نظام کو چلانے والوں کی اپنی زندگی سب سے پہلے قوانین خداوندی کے تابع ہو گی۔

چونکہ دین کا نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہو گا اس لئے اس میں موجودہ ثنویت ختم ہو جائے گی۔ یعنی اس میں یہ نہیں ہو گا کہ سیاسی معاملات کے لئے حکومت کی طرف رجوع کیا جائے اور مذہبی یا شخصی امور کے لئے مذہبی پیشوائیت کی طرف۔ اس میں یہ دونوں شعبے باہمدگر مدغم ہو جائیں گے۔

جب تک اس قسم کا نظام قائم نہیں ہو جاتا' امت کے مختلف فرقے جس جس طریق پر نماز' روزہ وغیرہ اسلامی احکام پر عمل کر رہے ہیں' کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ان میں ردو بدل کرے یا کوئی نیا طریقہ وضع کر کے اسے "خدا اور رسولؐ" کا طریقہ قرار دے۔ یہ حق قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) کو پہنچتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ امت کے اختلافات کو مٹا کر اس میں وحدت پیدا کرے۔

قرآنی نظام کا مقصود یہ ہے کہ خدا کی متعین کردہ مستقل اقدار کے مطابق انسان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ نظام تمام افراد معاشرہ کی بنیادی ضروریات زندگی' روٹی کپڑا' مکان' علاج' تعلیم وغیرہ بہم پہنچانے کا ذمہ دار ہو۔

قرآن کا نظام اپنی نوعیت کا واحد اور منفرد نظام ہے اس لئے نہ وہ دنیا کے کسی اور نظام میں جذب ہو سکتا ہے نہ ان سے مفاہمت کر سکتا ہے۔ خواہ وہ مغرب کا جمہوری سرمایہ دارانہ نظام ہو یا سوشلزم کا آمرانہ اشتراکی نظام۔ اس کے نزدیک یہ سب نظام ہائے زندگی غیر خداوندی ہیں' لہٰذا باطل۔

جہاں تک احادیث کا تعلق ہے ہم ہر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہو' یا جس سے حضورؐ نبی اکرم یا صحابہ کبارؓ کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔

ہم' رسولؐ اللہ کے بعد' ہر قسم کے مدعی وحی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

طلوع اسلام کا تعلق نہ کسی سیاسی پارٹی سے ہے نہ مذہبی فرقہ سے (اسے فرقہ اہل قرآن سے بھی کوئی تعلق نہیں) نہ ہی یہ کوئی نیا فرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے نزدیک دین میں فرقہ سازی شرک ہے۔ امت کے مختلف فرقے جس طریق سے نماز روزہ وغیرہ کی ادائیگی کرتے ہیں' ہم ان میں کسی قسم کا ردو بدل نہیں کرتے۔ ہم صرف قرآن کریم کی تعلیم کو عام کرتے ہیں تاکہ کسی طرح پھر سے قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) کا قیام عمل میں آسکے۔ یہ ہے ہمارا مسلک' جسے ہم برسوں سے دہراتے چلے

آرہے ہیں۔ اس کے خلاف جو کچھ ہماری طرف منسوب کیا جاتا ہے' وہ مخالفین کا گمراہ کن پروپیگنڈا ہے۔

جو حضرات طلوع اسلام کے اس مقصد سے متفق ہیں وہ مقامی طور پر اس فکر کے عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں' ان کی اس تنظیمی کوشش کا نام ہے "بزم طلوع اسلام"۔ جو لوگ اس بزم کے ممبر بنتے ہیں ان سے نہ کوئی نیا عقیدہ منوایا جاتا ہے نہ احکام خداوندی کے علاوہ کسی اور کی اطاعت طلب کی جاتی ہے نہ وہ کوئی الگ پارٹی بناتے ہیں نہ عملی سیاست میں حصہ لے سکتے ہیں۔ نہ وہ کسی کو اپنا پیرو مرشد سمجھتے ہیں نہ امیر و مطاع۔ یہ ان متفق الخیال احباب کی تنظیم ہوتی ہے جو یک نگہی و یک جہتی سے قرآنی فکر کی نشرواشاعت کی کوشش کرتے ہیں' اس کے سوا ان کا کوئی پروگرام نہیں ہوتا۔ اور یہ جو کچھ کرتے ہیں اس میں نہ کوئی راز ہوتا ہے نہ پردہ' نہ ہی کسی قسم کی جلب منفعت۔

المختصر:- مسلمانوں کے قلب و دماغ سے ہر قسم کے غیر قرآنی تصورات و نظریات اور معتقدات نکال کر ان کی جگہ خالص قرآنی تصورات پیش کرنا اور دلائل و براہین کی رو سے پیش کرنا طلوع اسلام کا مقصود و مطلوب ہے۔ اس میں وہ' قوم کے نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو سب سے پہلے اپنے سامنے رکھتا ہے تاکہ وہ مغربی سیکولرازم اور اشتراکیت کے سیلاب سے بچ کر پاکستان میں صحیح قرآنی معاشرہ قائم کرنے کے قابل ہو سکیں۔

قرآنی معاشرہ میں کیا ہو گا۔۔۔۔۔۔۔؟

(1) قرآنی معاشرہ میں ہر شخص کی عزت بلا تمیز قوم' رنگ' نسل' پیشہ' محض اس کے انسان ہونے کی جہت سے ہو گی۔ کسی کو پست یا ذلیل نہیں سمجھا جائے گا۔ برتری کا معیار یہ ہو گا کہ کوئی شخص اپنے فرائض کی بجا آوری میں کس قدر محنت اور دیانت سے کام لیتا ہے اور نوع انسان کو فائدہ پہنچانے کی خاطر کیا کرتا ہے۔

(2) کوئی شخص بے کس و لاچار اور بے یارو مددگار نہیں ہو گا۔ ہر ایک کی بات سنی جائے گی اور تکلیف رفع کی جائے گی۔ ہر شخص کو انصاف ملے گا اور بغیر کچھ خرچ کئے ملے گا۔ کوئی صاحب اثر انصاف کے پلڑے کو اپنی طرف نہیں جھکا سکے گا۔

(3) کوئی فرد بھوکا' ننگا یا بے گھر نہیں رہے گا۔ تمام افراد کیلئے خوراک' لباس اور مکان کا انتظام کرنا معاشرہ کے ذمہ ہو گا۔ یعنی قرآنی معاشرہ ہر شخص کی اور اس کی اولاد کی ضروریات زندگی بہم پہنچانے کا ذمہ دار ہو گا۔

(4) معاشرہ کی یہ بھی ذمہ داری ہو گی کہ ہر شخص کی تعلیم و تربیت کا پورا پورا انتظام کرے جس سے انسان کی صلاحیتوں کی نشوونما ہو۔ باالفاظ دیگر معاشرہ کا وجود فرد کی ذات کی تکمیل کیلئے ہو گا۔

(5) ہر شخص اپنی پوری استعداد و محنت سے کام کریگا۔ صرف وہ افراد کام نہیں کریں گے جو کسی وجہ سے کام

کرنے سے معذور ہو گئے ہوں۔ یہ نہیں ہو گا کہ کچھ لوگ تو محنت کرتے کرتے ہلکان ہو جائیں اور باقی لوگ ان کی کمائی پر مفت میں عیش اڑائیں۔

(6) ہر شخص اپنی محنت کے ماحصل میں سے اپنے لئے صرف اتنا رکھے گا جس سے اس کی مناسب ضروریات پوری ہوں۔ باقی اپنے دل کی رضا مندی سے حاجت مندوں کی ضروریات کیلئے کھلا رکھے گا۔ بلکہ عند الضرورت دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دے گا۔ کیونکہ انسانی ذات کی نشوونما کا یہی طریق ہے۔

(7) رزق کے سرچشمے (خواہ وہ زمین کی شکل میں ہوں یا کارخانوں کی صورت میں) قرآنی معاشرہ کی تحویل میں رہیں گے تاکہ وہ افراد معاشرہ کی پرورش کے کام آئیں۔ جب افراد کی ضروریات زندگی کی ذمہ داری معاشرہ کے سر ہو گی اور رزق کے سرچشمے حاجت مندوں کیلئے کھلے رہیں گے تو کسی کے لئے دولت سمیٹ کر جمع کرنے اور جائدادیں بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو گا۔

(8) ہر معاملہ کا فیصلہ خدا کے احکام (قرآن کریم) کے مطابق ہو گا نہ کہ کسی خاص گروہ یا طبقہ کی مرضی کے مطابق (اس معاشرہ میں گروہوں' لیڈروں اور پارٹیوں کا وجود ہی نہیں ہو گا) اس لئے اس میں نہ کسی قسم کا جور ہو گا نہ استبداد' نہ ظلم ہو گا نہ زیادتی۔ اسے نظام خداوندی یا قرآنی نظام معاشرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(9) ہر شخص کھل کر بات کرے گا۔ اس کے دل میں نہ کسی طرف سے نقصان پہنچنے کا ڈر ہو گا نہ کسی کو نقصان پہنچانے کا خیال۔ ایک دوسرے پر اعتماد اور بھروسہ ہو گا اور فریب کی گنجائش نہیں ہو گی۔ اس طرح گھروں کے اندر سکون اور معاشرہ کے اندر اطمینان ہو گا۔

(10) یہ سب کچھ اس لئے ممکن ہو گا کہ ہر شخص قوانین خداوندی کے محکم اور مکافات عمل کے برحق ہونے پر یقین رکھے گا۔ یہ نظام قائم ہی ان بنیادوں پر ہو گا۔ اس میں قرآن کریم کی مستقل اقدار عملاً نافذ ہوں گی۔

تحریک طلوع اسلام پاکستان میں اس قسم کے نظام کی تشکیل کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ نوع انسان کی مشکلات اور مصیبتوں کا حل اسی قسم کے نظام کے قیام میں مضمر ہے تو اس کے قیام و عمل کے لئے اپنا فریضہ ادا کیجئے اور ہم سے تعاون فرمایئے۔

والسلام

ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ)

25 بی' گلبرگ 2' لاہور

PAMPHLETS-- پمفلٹ

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے۔ مندرجہ ذیل پمفلٹس دو روپے فی پمفلٹ کے حساب سے ڈاک ٹکٹ بھجوا کر طلب فرمائیں۔

1 اسلام کیا ہے؟
2 الزکوٰۃ
3 کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟
4 کافرگری
5 سوچیو (سندھی)
6 سوچا کرو
7 اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟
8 الصلوٰۃ
9 مرض تشخیص اور علاج
10 مقام اقبالؒ
11 دو قومی نظریہ
12 روٹی کا مسئلہ
13 جہاں مارکس ناکام رہ گیا
14 حرام کی کمائی
15 مرزائیت اور طلوع اسلام
16 مقام محمدی ﷺ
17 خدا کی مرضی
18 دعوت پرویز کیا ہے؟
19 فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟
20 قرآن کا سیاسی نظام
21 ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
22 Islamic Ideology
23 آرٹ اور اسلام
24 احادیث کا صحیح ترین مجموعہ
25 ماؤزے تنگ اور قرآن
26 ہم میں کریکٹر کیوں نہیں؟
27 عالمگیر افسانے
28 عورت قرآن کے آئینے میں
29 اندھے کی لکڑی
30 بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن
31 قرآن کا معاشی نظام
32 قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر
33 اسلام آگے کیوں نہ چلا؟
34 اسلامی قوانین کے راستے میں کون حائل ہے؟
35 Is Islam a Failure?
36 Why Islam is the Only True Deen?